ہفت روزہ

# ندائے خلافت

لاہور

3

www.tanzeem.org

14تا20جنوری2014ء/12تا18ربیع الاوّل1435ھ

اس شمارے میں

''اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا''

تاریخِ انسانیت کا جامع ترین انقلاب

پیارے نبی ﷺ کیسے تھے؟

آپریشن ''ہارٹ اٹیک''

جماعت اسلامی سے تنظیم اسلامی تک
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ
کا یادگار انٹرویو

ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ری کنسٹرکشن

شرعی حجاب پر حملہ

یہودی طریقہ کار

## نبی اکرم ﷺ کا خصوصی اُسوہ

نبی اکرم ﷺ کا اصل اور خصوصی اسوہ کون سا ہے؟ یہ اسوۂ حسنہ آپؐ کا وہ صبر و ثبات' اللہ کے دین کے لیے سرفروشی اور جاں فشانی ہے جو ہمیں غزوۂ احزاب میں نظر آتی ہے۔ آپؐ کا یہ حال تھا کہ آپؐ اپنے جان نثاروں کے شانہ بشانہ اور قدم بقدم ہی نہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ہر مشقت میں شریک تھے۔ کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو دوسروں نے اٹھائی ہو اور آپؐ نے نہ اٹھائی ہو۔

یہ نہیں تھا کہ کہیں زرنگار خیمہ علیحدہ لگا دیا گیا ہو اور قالین بچھا دیئے گئے ہوں اور وہاں حضور ﷺ آرام فرما رہے ہوں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم ہی خندق کھودنے کے لئے کدالیں چلا رہے ہوں۔ بلکہ معاملہ یہ تھا کہ خندق کھودنے والوں میں آپؐ بھی شامل تھے۔ کدالیں چلاتے ہوئے صحابہؓ کرام بیک آواز کہتے: اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ اور نبی اکرم ﷺ ان کے ساتھ آواز میں آواز ملا کر فرماتے: فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ۔ سردی اور بھوک کی تکالیف اٹھانے میں بھی آپؐ برابر کے شریک تھے...... بھوک اور نقاہت سے کہیں کمر دہری نہ ہو جائے' اس خیال سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ کو اپنے پیٹ پر بندھا ہوا پتھر دکھایا تو سرورِ عالم' محبوب رب العالمین' خاتم النبیین والمرسلین ﷺ نے اپنا کُرتہ اٹھایا تو صحابی نے دیکھا کہ آپؐ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہیں۔

محاصرے کے دوران آپؐ ہر وقت خندق میں موجود رہے اور جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تکان سے چُور ہو کر پتھر کا تکیہ بنا کر تھوڑی دیر کے لئے آرام کی خاطر لیٹ جاتے تھے' اسی طرح حضور ﷺ بھی وہیں کھلی زمین پر کچھ دیر کے لئے پتھر پر سر رکھ کر آرام فرما لیا کرتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ آپؐ نے استراحت کے لئے اپنے واسطے کوئی خصوصی اہتمام فرمایا ہو۔ بنی قریظہ کی غداری کے بعد جس خطرے میں سب مسلمانوں کے اہل وعیال مبتلا تھے' اُسی سے آپؐ کے اہلِ خانہ دوچار تھے۔ اپنے لئے یا اپنے اہل وعیال کے لئے آپؐ نے حفاظت کا کوئی خصوصی انتظام نہیں کیا تھا۔ یہ ہے اصل صورت واقعہ اور صورتِ حال جس کے تناظر میں فرمایا گیا ہے: ﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ......﴾ (الاحزاب:21) ''تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

**اسوۂ رسول ﷺ**

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

# ابلیس کا سجدہ سے انکار

سُورۃُ الحِجر — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — (آیات 29 تا 38)

فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمۡ اَکُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ ﴿ۙ۳۴﴾ وَّ اِنَّ عَلَیۡکَ اللَّعۡنَۃَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿ۙ۳۷﴾ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۳۸﴾

**آیت ۲۹** ﴿فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ﴾ ’’پھر جب میں اسے پوری طرح درست کر دوں‘‘

کسی بھی تخلیق کے بعد اس کا تسویہ ضروری ہوتا ہے۔ پہلے بنیادی ڈھانچہ بنایا جاتا ہے اور پھر اس کی نوک پلک سنواری جاتی ہے۔ جیسے ایک عمارت کا ڈھانچہ کھڑا کرنے کے بعد اس کی آرائش و زیبائش کی جاتی ہے اور رنگ و روغن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

﴿وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ ’’اور پھونک دوں میں اس میں اپنی روح میں سے‘ تو گر پڑنا اس کے لیے سجدے میں۔‘‘

**آیت ۳۰** ﴿فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾﴾ ’’تو سجدہ کیا تمام فرشتوں نے مل کر۔‘‘

کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ میں بہت تاکید پائی جاتی ہے کہ سب کے سب نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا‘ اور ان میں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ رہا۔ جبرائیل‘ میکائیل‘ اسرافیل‘ عزرائیل سمیت سب جھک گئے‘ کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ فرشتوں کے ساتھ ذکر آنے کی وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ جیسے ابلیس بھی فرشتہ تھا‘ مگر وہ فرشتہ نہیں تھا‘ جیسا کہ سورۃ الکہف کی آیت ۵۰ میں ’کَانَ مِنَ الۡجِنِّ‘ فرما کر واضح کر دیا گیا کہ وہ جنات میں سے تھا۔

**آیت ۳۱** ﴿اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾ ’’سوائے ابلیس کے‘ اُس نے انکار کیا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے۔‘‘

**آیت ۳۲** ﴿قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۲﴾﴾ ’’اللہ نے فرمایا: اے ابلیس کیا ہوا تجھے کہ تو نہیں ہوا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ؟‘‘

**آیت ۳۳** ﴿قَالَ لَمۡ اَکُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۳۳﴾﴾ ’’اُس نے کہا: میرے لیے روا نہیں ہے کہ سجدہ کروں اُس بشر کو جسے تو نے پیدا کیا ہے سنے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے۔‘‘

**آیت ۳۴** ﴿قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ ﴿۳۴﴾﴾ ’’اللہ نے فرمایا: بس نکل جاؤ اس میں سے‘ تم یقیناً مردود ہو چکے ہو۔‘‘

آدم کو سجدہ کرنے کے حکم الٰہی کا انکار کر کے تم راندۂ درگاہ ہو چکے ہو۔ اب یہاں سے فی الفور نکل جاؤ!

**آیت ۳۵** ﴿وَّ اِنَّ عَلَیۡکَ اللَّعۡنَۃَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۳۵﴾﴾ ’’اور یقیناً تم پر لعنت رہے گی روزِ جزا تک۔‘‘

**آیت ۳۶** ﴿قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۳۶﴾﴾ ’’اس نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے مہلت دے دے اُس دن تک جب یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔‘‘

**آیت ۳۷** ﴿قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿۳۷﴾﴾ ’’اللہ نے فرمایا (جاؤ) تمہیں مہلت دے دی گئی۔‘‘

**آیت ۳۸** ﴿اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۳۸﴾﴾ ’’وقتِ معین کے دن تک۔‘‘

یعنی روزِ قیامت تک تم زندہ رہو گے۔ ویسے تو جنوں کی عمریں انسانوں سے کافی زیادہ ہوتی ہوں گی مگر ایسا کوئی جن بھی نہیں ہے جو اس ابتدائی تخلیق کے وقت سے لے کر آج تک زندہ ہو‘ ماسوائے اس ایک جن کے جس کا نام عزازیل ہے۔ باقی اس کی اولاد اور ذریت اپنی جگہ ہے۔

## فرمان نبویؐ

عَنۡ اَنَسٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ

((یُجۡمَعُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ فَیَقُوۡلُوۡنَ لَوِ اسۡتَشۡفَعۡنَا اِلٰی رَبِّنَا فَیُرِیۡحُنَا مِنۡ مَکَانِنَا ہٰذَا فَیَاۡتُوۡنَ آدَمَ فَیَقُوۡلُوۡنَ لَہٗ اَنۡتَ آدَمُ اَبُو الۡبَشَرِ خَلَقَکَ اللّٰہُ بِیَدِہٖ وَاَسۡجَدَ لَکَ الۡمَلَائِکَۃَ وَعَلَّمَکَ اَسۡمَاءَ کُلِّ شَیۡءٍ فَاشۡفَعۡ لَنَا اِلٰی رَبِّنَا حَتّٰی یُرِیۡحَنَا فَیَقُوۡلُ لَہُمۡ لَسۡتُ ہُنَا کُمۡ فَیَذۡکُرُ لَہُمۡ خَطِیۡئَتَہُ الَّتِیۡ اَصَابَ)) (صحیح بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مومن لوگ قیامت کے دن جمع ہوں گے تو ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کاش ہم اپنے رب کی بارگاہ میں شفاعت کراتے تاکہ وہ ہمیں ہماری اس جگہ سے نجات دے۔ چنانچہ یہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آ کر کہیں گے کہ آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ کرایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام بتائے، ہمارے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجیے۔ حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں اور اپنی خطا بیان کریں گے جس کے مرتکب ہوئے تھے۔‘‘

ہفت روزہ
لاہور
# ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

14تا20جنوری2014ء جلد 23
12تا18ربیع الاوّل1435ھ شمارہ 3

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعدؔ طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون:36316638-36366638 فیکس:36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت:36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون:35869501-03 فیکس:35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450روپے
بیرون پاکستان

انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ(3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
**مرزا ایوب بیگ**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# "اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا"

ایک محبت جو دل میں رچی بسی ہو، ایک نظریہ جو دماغ میں راسخ ہو چکا ہو، ظاہری طور پر اُسے بذریعہ قلم سپردِ قرطاس کرنا کتنا آسان ہونا چاہئے، لیکن پھر کیوں مشکل ہو جاتا ہے محبوب ربانیؐ کی شان بیان کرنا۔ شاید اس لئے کہ سمندروں ڈونگے (سمندر سے گہرے) دل میں اُٹھنے والے طوفان پر قابو رکھنا ممکن نہیں رہتا اور شاید اس لئے کہ دماغ میں یوں بجلیاں کوندنے لگتی ہیں کہ قلمکار ربط اور ترتیب اختیار کرنے میں دشواری محسوس کرنے لگتا ہے۔ کیا لکھوں کیا چھوڑوں، کسے نقطہ آغاز بناؤں، کسے اختتام کہوں۔ عدل کے گن گاؤں یا حکمت کی مدح سرائی کروں۔ شجاعت کی داد دوں کہ بندگی کی معراج جان سکوں...... حقیقت یہ ہے کہ وہ شجر ابھی زمین کی کوکھ سے جنم ہی نہیں لے سکا جس کے شاخ سے وہ قلم تراشا جا سکے جو سیرتِ مطہرہ کی صفات و کمالات تحریر کرنے کا حق ادا کر سکے۔ ایک شاعر شکوہ کے انداز میں خالقِ کائنات کے حضور عرض گزار ہے کہ ایسی بے مثل ہستی اگر ہماری رہنمائی کے لئے اس دنیا کی قسمت میں تھی تو پھر ہمیں ایسی زبان بھی مل جاتی کہ رحمۃ للعالمین کی ثنا خوانی کا سلیقہ پا لیتے۔ قارئین، یقین جانیں ہم شاعری نہیں کر رہے، اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں اور ہماری یہ بے بسی بالکل قابلِ فہم ہے جب اسد اللہ غالب جیسا زبان دان اور قادر الکلام شخص یوں گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کآں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

طائف میں سرداروں کے اشارے پر اوباش چھوکرے اتنی سنگ باری کرتے ہیں کہ خون سے بھری ہوئی جوتیوں سے پاؤں الگ کرنے مشکل ہو جاتے ہیں، لیکن ایسے میں بھی فرشتے کی اس استدعا کو رد کر دینا کہ اس بستی کو پہاڑوں کے درمیان مسل کر تباہ کر دیا جائے، اس لئے کہ شاید یہاں دین کا کوئی خادم پیدا ہو جائے، کوڑا کرکٹ پھینکنے والی بڑھیا کی مزاج پُرسی کے لئے تشریف لے جانا کہ آج وہ اپنا عمل کیوں نہ دہرا سکی، فتح مکہ کے موقع پر عاجزی سے سر کو اتنا جھکا لینا کہ وہ اونٹ کہ کجاوے کو چھونا چاہے، فاتح مکہ کی حیثیت سے پہلا کام یہ کرنا کہ اپنے خون کے پیاسوں اور جان کے دشمنوں کی عام معافی کا اعلان کر دینا آپؐ ہی کی بلند مرتبت ہستی کی شان ہے۔ آدم و حوا کی اولاد میں آپؐ واحد ہستی ہیں جن کے اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، دیکھنے سننے، رہنے سہنے اور پہننے اُتارنے کا انداز تاریخ نے محفوظ کیا۔ درحقیقت یہ ہے وہ انسانیت، یہ ہے وہ بشریت جس کے سامنے فرشتوں کے پاس سجدہ کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ اگرچہ یہ سجدہ اللہ رب العزت کے حکم سے ہوا، یہ اُسی کے بس کی بات ہے کہ وہی العلیم، الحکیم اور العزیز ہے۔ اللہ رب العزت خود حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ کہہ کر ربِ کریم خود حضور ﷺ پر اُن کی شان واضح کرتا ہے۔ گویا سیرت النبیؐ کی کوئی ضخیم کتاب بھی آپؐ کی صفات و کمالات کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں ایک قطرہ پانی سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔

یہاں تھوڑی دیر کے لئے رک کر انتہائی سنجیدگی سے غور فرمائیں کہ آپؐ کو یہ اعزاز، یہ احترام یہ عزت کیوں حاصل تھی، اس لئے کہ آپؐ انبیاء اورُ رسل کی اُس سنہری زنجیر کی آخری کڑی تھے جنہیں انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ اپنے نمائندے بنا کر دنیا میں بھیجتا رہا۔ آپؐ صرف آخری نبی اور رسول نہ تھے، بلکہ اللہ رب العزت نے آپؐ پر اپنے پسندیدہ دین اسلام کی تکمیل بھی کر دی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء ورُسل اسی دین کے تکمیلی مراحل کو کسی نہ کسی انداز میں آگے بڑھاتے رہے۔ اگر چہ انہیں شریعت یا لائحہ عمل مختلف دیئے گئے لیکن دین سب کا ایک تھا، مشن سب کا ایک تھا یعنی انسانوں پر انفرادی اور اجتماعی سطح پر اللہ کے اُس دین کو بالفعل نافذ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ کام بہت سی وجوہات کی بناء پر انجام تک پہنچایا نہ جا سکا، حالانکہ مختلف قوموں کو انبیاء ورُسل نے لاجواب کر دینے والے معجزے دکھائے۔ آپؐ کا کمال یہ تھا اور یہ کمال لاجواب اور بے مثل تھا کہ آپ کے پاس نہ عصائے موسیٰؑ تھا کہ کسی دریا کے سینے کو چیر دیتے، یا وہ اژدھا بن کر وقت کے سانپوں کو نگل لیتا۔ نہ آپؐ پر اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آسمان سے خوان اُترا، نہ آپؐ نے قریش کو قائل کرنے کے لئے مردے زندہ کر کے دکھائے، نہ آپؐ کے لئے آگ کو گلستان میں تبدیل کیا گیا، بلکہ جب آپؐ پر سنگ باری ہوئی تو جسم اطہر لہولہان ہوا، جنگ میں دندان مبارک شہید ہوئے، یہاں تک کہ جادو کا اثر بھی ہوا۔ لیکن آپؐ نے اللہ کے دین کی دعوت کا کام دن رات جاری رکھا اور خالصتاً انسانی سطح کی کوشش سے دینِ حق کو جزیرہ نمائے عرب میں غالب اور نافذ کرنے کا محیر العقل کارنامہ سرانجام دیا۔ یعنی جس دین کی دعوت دی، جس کی تبلیغ کی اُسے ایک حقیقت کا روپ دے کر دنیا کو دکھا بھی دیا۔ یہ ہے وہ سنت جسے دانتوں سے پکڑنے کی ضرورت ہے۔

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے ایک بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کیا اللہ کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ اپنے محبوب کے پاؤں میں کانٹا بھی نہ چبھنے دیتا اور دینِ حق کُل عالم میں نافذ ہو جاتا۔ اس کے ''کُن'' کہنے سے پہاڑ زمین دوز ہو جائیں، سمندر خشک ہو جائیں، دریا رُک جائیں وہ اپنے محبوب کو ہیرے جواہرات سے مرقع و مرصع تخت پر بٹھا کر انسان کیا، چرند و پرند کو اُس کے حضور حاضر کروا دیتا۔ یہ سب کچھ آسانی سے ممکن تھا۔ انبیاء اور رُسل کی جماعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل تھا کہ آپؐ کی نبوت و رسالت صرف مقامی نہیں بلکہ آفاقی تھی اور آپؐ کو جو معجزہ قرآن پاک کی صورت میں عطا کیا گیا دوسرے انبیاءؑ کے معجزات کی طرح اُس پر زمانے کی قید نہیں تھی، یعنی وہ تا ابد قائم رہے گا اور اُس کے متن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا کہ اُس میں کمی بیشی یا کتر بیونت ممکن نہیں۔ اسی دعوت کی آفاقیت کا تقاضا تھا کہ آغاز میں جو ماڈل دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا، اُس میں بھی خالصتاً انسانی کوششوں کو دخل ہوتا، تاکہ باقی دنیا میں اسے نافذ کرنے کے حوالہ سے بعد میں آنے والے انسانوں کے پاس یہ عذر نہ رہے کہ آغاز میں تو اسے معجزاتی طور پر نافذ کیا گیا تھا، اب اسے کیسے نافذ کیا جائے۔ ہاں میدان بدر میں یقیناً فرشتے اترے تھے، اور تاریخ میں اللہ کے سپاہیوں کی غیبی مدد کی گواہی بھی ملتی ہے، لیکن یہ سہولت تو آج بھی موجود ہے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے اور کرنے کا کام یہ ہے کہ فضائے بدر پیدا کی جائے۔ فرشتے آج بھی قطار اندر قطار اُتریں گے، یہ محض شاعری نہیں ہے، نہ کوئی سنی سنائی کہانی ہے بلکہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے۔ کیا ہمارے پڑوس افغانستان میں طالبان نے بے سروسامانی کے عالم میں دنیا کی متحدہ عالمی قوت نیٹو کو ناکوں چنے نہیں چبوا دیئے۔ طالبان کی فوجی قوت، اسلحہ اور مالی وسائل امریکہ اور اُس کے حواریوں کی نسبت نہ ہونے کے برابر ہیں، لیکن طالبان اپنی ایمانی قوت کے بل بوتے اور اللہ کی مدد سے امریکہ کو شکست دے چکے ہیں۔ امریکہ اور اُس کے حواری اب افغانستان سے بھاگ نکلنے کے طریقے ڈھونڈ رہے ہیں۔ جبکہ پاکستان کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ ہمارے پاس منظم فوج ہے۔ ہم دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت ہیں لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہونے کی وجہ سے تھر تھر کانپ رہے ہیں اور ہم پر بھوک اور خوف مسلط ہو چکا ہے۔ افغانستان میں کرزئی اور اُس کی نام نہاد حکومت مکمل طور پر امریکی محاصرے میں ہے۔ اُس کے باوجود وہ خم ٹھوک کر کہتا ہے کہ میں اس سیکیورٹی معاہدے پر دستخط نہیں کروں گا جو افغانیوں کی چادر اور چار دیواری کا تحفظ نہ کر سکے اور امریکیوں کو افغانستان میں کُھل کھیلنے کی اجازت دے۔ لیکن پاکستان ایٹمی قوت ہونے اور دنیا کی بہترین فوج رکھنے کے باوجود امریکہ کی بے چون و چراں غلامی کر رہا ہے۔ اگر مسلمانانِ پاکستان خود کو اِس غلامی سے آزاد کروانا چاہتے ہیں تو اُنہیں صحیح معنوں میں مسلمان بننا ہوگا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت میں نعت کا نذرانہ ضرور پیش کریں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مشن کے لئے طائف کی گلیوں میں اور بدر کے میدان جنگ میں اپنا مبارک خون بہایا اُس مشن کی تکمیل کے لئے میدان عمل میں نکلیں اور پاکستان کو ایسا نظام دیں جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا عملی نمونہ ہو۔ اس صورت میں تو ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، وگرنہ 12 ربیع الاوّل کو جلوس نکال لینا اور یا رسول اللہؐ کے محض نعرے مارنے سے ہم انجام بد سے نہیں بچ سکیں گے۔ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی درخشندہ تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کریں۔ اللہ رب العزت ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سنت پر عمل کی توفیق دے۔ یہی نجات کا راستہ ہے۔ یہی کامیابی کی کلید ہے۔

### بانئ پاکستان نے کہا:

''مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرزِ حکومت کیا ہوگا؟ پاکستان کے طرزِ حکومت کا تعین کرنے والا میں کون ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا طرزِ حکومت آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا۔ الحمدللہ، قرآن مجید ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا'' (آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا اجلاس، منعقدہ 15 نومبر 1942)

# تاریخ انسانیت کا جامع ترین انقلاب

سید اسعد گیلانی

دنیا کے انقلابات کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور پھر حضور اکرم ﷺ کے برپا کردہ انقلاب کو دیکھا جائے تو منصف مزاج انسان یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس قدر جامع کلی ہمہ گیر اور ظاہر و باطن میں غالب و نافذ حضور ﷺ کا نافذ کردہ انقلاب ہے اس کے مقابلے میں دوسرے انقلابات قطعاً نامکمل اور ادھورے ہیں۔ دوسرے انقلابات تو بس زیادہ سے زیادہ عارضی طور پر ایک گروہ کے ہاتھ سے دوسرے گروہ کے ہاتھ میں انتقالِ اقتدار کے عمل کا نام ہے۔

اگر کوئی انسان 23 سال پہلے عرب سے باہر چلا گیا ہوتا اور 23 سال بعد یکایک وہ مکہ مدینہ اور ان علاقوں میں لوٹتا جہاں حضور ﷺ نے انقلاب برپا فرمادیا تھا، تو اسے اپنی آنکھوں پر اعتماد کرنا مشکل ہو جاتا، اس کے لیے یہ باور کرنا دشوار ہو جاتا کہ وہ اسی علاقے اور انہی لوگوں کے درمیان واپس آیا ہے جنہیں چھوڑ کر وہ گیا تھا۔ اس مختصر سے عرصے میں جو زبردست تبدیلی فرد فرد کے اخلاق، اعمال، گفتار، رفتار، کردار اور معاملات میں آگئی تھی، اسے صرف معجزاتی قلب ماہیت ہی کہا جا سکتا ہے۔ عورتیں، مرد، بوڑھے، بچے، گلیاں، بازار، مجالس اور کاروبار ہر چیز ہی یکسر تبدیل ہوگئی تھی۔ ان کے لہجے، ان کے معمولات، ان کی دلچسپیاں، ان کے ذوق وشوق اور مصروفیات سبھی کچھ بدل گیا تھا۔ مسجد کے نام سے ایک نیا ادارہ وجود میں آ گیا تھا جو ہر محلے اور ہر بستی میں موجود تھا اور جس میں لوگ علم دین حاصل کرتے تھے۔ خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات کے چرچے، قراءت قرآن کی مجالس، علمی مشاغل کے مباحثے، جنگ وجدل کی بجائے جہاد فی سبیل اللہ کی باتیں، گپ بازی کی بجائے اوراد و وظائف، تضیع اوقات کے بجائے پانچ وقت کی نمازیں اور ان کے ساتھ وضو اور پاکیزہ مجالس کا اہتمام، جمعہ کو ہفتہ وار اجتماعات، اور ملکی اور ملی مسائل پر کھلے مباحثے، ناپ تول میں عدل، اوزان میں انصاف، باہمی انسانوں میں برابری اور مساوات، نہ نسل کا فخر اور نہ قبیلہ کا زعم، نہ زبان کی برتری کا دعویٰ اور نہ رنگ کی سفیدی کا غرور، سارے انسان خدا کی مخلوق، ساری خدائی خدا کا قبیلہ، سارے انسان خدا کے بندے اور ان سب کا تنہا وہی ایک معبود جس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔

غلط بیانی اور جھوٹ کے بجائے ہر طرف صداقت شعاری کا سکہ رواں "وعدے کی پابندی، لین دین کا کھرا پن، خدا ترسی اور خدا خوفی کی کیفیت، نہ فحش باتیں اور نہ فحش کاری کے اڈے، نہ بے پردگی اور نہ بے حیائی، نہ مجالس میں بیہودہ گوئی اور نہ ایران و توران کی بیہودہ داستانیں اور یاوہ گویاں، نہ باپ دادا پر فخر کے قصے اور نہ اپنی بڑائی کی ڈینگیں۔ سب سے بڑا نام صرف اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کے طریقے کی پیروی کا اہتمام ہی سب سے اعلیٰ طرز عمل قرار پایا۔ ہر طرف نظم و ضبط کا اہتمام، عدالتیں موجود لیکن جرائم نابود۔ اور اگر کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو متعلقہ فریق سے معافی حاصل کرنے میں سبقت یا عدالت کے سامنے خود اعتراف خطا۔ عدالتیں سب کے لیے مساوی، خلیفہ سے لے کر عام انسان تک سب برابر، کسی کے درمیان کوئی امتیاز موجود نہیں۔ دوکاندار خوف خدا سے لرزاں و ترساں، ناجائز نفع اندوزی کا تصور بھی غائب، ناقص مال دینے کا سوال ہی نہیں۔ اگر کسی شے کا نقص گاہک سے پوشیدہ رہ گیا تو اس کے گھر تک پہنچ کر نقص کی وضاحت اور اس کی نسبت سے قیمت میں کمی یا مال کی واپسی، بزرگوں میں شفقت اور تعلیم و تربیت کا جذبہ، چھوٹوں میں ادب و احترام اور نصیحت حاصل کرنے کا احساس، آجر مزدور سے زیادہ حساس کہ اس کا حق اس کے ذمے رہنے نہ پائے اور اجیر آجر سے زیادہ حساس کہ اُجرت کے مطابق کام سرانجام پائے۔ سپاہی جہاد فی سبیل اللہ کے جذبے سے سرشار اور اس کے لیے دین کی سربلندی کے لیے خدا کی راہ میں لڑنا دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بہتر۔ ہمسائے میں یہ احساس زندہ و بیدار کہ اس کا ہمسایہ بھوکا نہ سونے پائے اور اس کی وجہ سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ غرض فرد فرد سر سے پا تک اور ظاہر سے باطن تک اس طرح بدل گیا کہ جیسے پہلے انسانوں کی آبادی وہاں سے منتقل کر کے کوئی دوسری انسانی آبادی وہاں لاکر بسا دی گئی ہو۔ ہر انسان احساس ذمہ داری، خدا کے سامنے جوابدہی، حق شناسی اور ادائیگی فرض سے سرشار اور پورا معاشرہ اسی کیفیت سے معمور۔

پوری جماعت اس اصول پر عمل پیرا کہ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ اور جماعت کا فرد فرد ﴿اُدْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ کی تصویر، اپنی زندگی کے گوشے گوشے کا نگراں کہ وہ دین سے باہر رہنے نہ پائے۔ شراب کا حکم نازل ہوا تو چند گھنٹے کے اندر پوری مملکت میں ظاہر و باطن نافذ اور ساری سلطنت شراب سے ایسی پاک ہو جائے کہ پھر وفادار مسلمان کے لیے شراب کا تصور بھی نہ کیا جا سکے۔ پردہ کا حکم نازل ہو تو چند گھنٹے کے اندر اندر ہر بالغ عورت مستور ہو جائے۔ نبی ﷺ کی آواز سے بلند تر آواز کرنے کے نتیجے میں اعمال ضائع ہونے کا خطرہ یاد دلایا جائے تو بڑے بڑے بلند آواز صحابہؓ سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگیں، اور جن کی فطری آواز بلند ہو وہ روئیں کہ ہمارے اعمال ضائع نہ ہو گئے ہوں۔ خلافت کے لیے جوڑ توڑ اور سازش تو دور کی بات ہے۔ ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنا ڈالا گیا تو وہ روتے تھے کہ کاش اس ذمہ داری کے مقابلے میں میں پرندہ ہوتا کہ آخرت میں امت محمدیؐ کی جوابدہی مجھ پر نہ ہوتی۔ میں گھاس کا تنکا ہوتا کہ تنور میں جلایا جاتا اور خدا کے ہاں بازپرس سے بچ جاتا۔ خلیفہ کو پانی طلب کرنے پر کسی نے شہد پیش کر دیا تو اس بات پر رو پڑے کہ کہیں دنیا مجھ سے نہ لپٹ جائے۔ امیر المومنین کو نفس کی بڑائی کا ڈر ہوا تو منبر پر چڑھ گئے اور کہا "عمرو ہی تو ہے جو اپنی خالہ کی بکریاں مکہ کی وادی میں چرایا کرتا تھا۔" حضرت علیؓ داڑھی ہاتھ میں لے کر رویا کرتے اور کہتے کہ "اے دنیا، میں تجھے طلاق دے چکا، مجھ سے دور رہ، تیرا آغاز شیریں اور تیرا انجام حسرت ویاس ہے۔"

غرض وہ انقلاب جو 23 سال میں برپا ہوا، جس کے لیے حضور اکرم ﷺ نے 8 سال کی مدت میں 27 غزوات کیے گویا تقریباً ہر سال میں تین بار جہاد اور جس کے لیے حضور ﷺ نے اتنی سی مدت میں 55 جہادی لشکر

اپنے ساتھیوں کی سرکردگی میں روانہ کیے۔ جس انقلاب کے دوران حضور ﷺ ہر لحہ مستعد اور تیار رہے، جس میں مدنی زندگی کی کشمکش جہاد میں ہر چند دن کے بعد ایک مہم لازماً درپیش رہی اور یہ 8 سالہ زندگی پوری جنگی کیمپ کی سی زندگی بن کر گزری۔ اخلاق و اعمال و کردار کا، عادات واطوار کا، ظاہر و باطن کا، معمولات زندگی اور پوری انسانی قلب ماہیت کا یہ انقلاب ایسی ہی زندگی میں رونما ہوا جس میں 8 سال کے پورے عرصے میں ہر پینتیس دن کے بعد کسی نہ کسی دشمن کی طرف سے کوئی نہ کوئی جنگی مہم درپیش ہوتی تھی، دن کو جنگی تیاریاں اور لشکروں کی روانگی اور راتوں کو چوکی پہرے اور مشورے ہوتے تھے۔ ان حالات میں اللہ کی اس زمین پر حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی خالص تائید اور نصرت سے ایسا ہمہ گیر انقلاب برپا کیا۔ انسان سوچتا ہے کہ جس 8 سالہ مہماتی زندگی میں تقریباً ہر مہینے میں ایک جنگ درپیش ہوتی ہو اس میں خون خرابے اور تباہی و بربادی کا کیا حال ہو گیا ہوگا، لیکن مؤرخین نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھیوں اور فریق مخالف کے اس جنگی انقلاب کا افرادی نقصان کے لحاظ سے جو نقشہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے۔ (یہ نقشہ 82 جنگوں کے افرادی اتلاف پر مشتمل ہے۔)

| نام فریق | اسیر | زخمی | مقتول | کیفیت |
|---|---|---|---|---|
| مسلمان | 11 | 127 | 459 | |
| مخالف | 6564 | (نامعلوم) | 459 | |

گویا اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس حیرت انگیز اسلامی انقلاب میں کل انسان جو کام آئے وہ صرف 918 ہیں۔ اور اگر ان مقتولین کو 82 جنگوں پر تقسیم کیا جائے تو فی جنگ اوسط مقتولین کی تعداد 11.2 نکلتی ہے۔ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس سے بڑا غیر خونی انقلاب (Bloodless Revolution) بھی آج تک دنیا میں کبھی کوئی برپا ہوا ہے جس کے ذریعے انسان ظاہر و باطن میں بدل جائے۔ معاشرہ سر سے پا تک تبدیل ہو جائے۔ اور اس کی قدریں تک بدل جائیں۔ نظام مملکت اور نظام معیشت و سیاست سب کچھ بدل جائیں اور 82 جنگوں میں صرف 918 افراد کام آئیں۔

اس انقلاب نے انسانی تاریخ پر وہ خوشگوار اثر ڈالا ہے کہ پھر اس کے بعد ہی انسان سمجھ سکا ہے کہ وہ انسان اور اشرف المخلوقات ہے اور زمین پر وہ ایک ذمہ دار مخلوق اور خدا کا خلیفہ ہے۔ اس کے بعد ہی انسان کو کائنات کی حقیقت سے آگاہی ہوئی ہے اور اس نے کائنات اور اس کی ماہیت اور اس کے مالہ وماعلیہ پر غور کرنا اور اسرار فطرت کے انکشاف اور علوم طبیعی کے رموز کی طرف پیش قدمی شروع کی ہے۔ اس انقلاب کے ذریعے حضور ﷺ نے جو نظام قائم فرمایا اس کی برکات صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی انسانی سینوں میں گونجتی ہیں۔ اس کے دیے ہوئے اخلاق، اس کا عطا کردہ تہذیب وتمدن، اس کی فراہم کردہ اخلاقی قدریں، انسان کے لیے اس کا دیا ہوا نظام زندگی فی الحقیقت ہلاکت خیز ہتھیاروں کی بہتات کے درمیان ابر رحمت کا سایہ ہے۔ یہ نظام لرزاں وترساں انسانیت کے لیے واحد پناہ گاہ، انسانیت کے لیے فخر ومباہات کا واحد ذریعہ، انسان کا زمین پر واحد قیمتی سرمایہ اور شرف انسانیت کے ماتھے پر جھومر ہے۔ صرف یہی ایک نظام ہے جو اپنی ساری عملی تفصیلات کے ساتھ اس طرح موجود ہے کہ اسے سرعام پڑے ہوئے خزانے کی طرح ہر وقت اٹھا کر کاروبار زندگی میں لگایا جا سکتا ہے۔ وہ ہر دم زندہ و پائندہ اور تابندہ تر ہے اور انسانیت کے جدید ترین مسائل آج بھی اسی طرح حل کر سکتا ہے جس طرح اس نے اپنی آمد پر حل کر دیے تھے۔

فرانس نے جب جمہوریت کے لیے ایک جمہوری انقلاب برپا کیا تو اس کے لیے اسے اتنی قربانی دینی پڑی کہ فرداً فرداً انسانوں کو قتل کرنا وہاں ممکن نہ رہا تو گلوٹین ایجاد کرنی پڑی جو بیک وقت بیسیوں انسانوں کے سروں کو ناریلوں کی طرح اڑا دیتی تھی۔ حصول جمہوریت کی اس مشین کو فرانس کے اندر جگہ جگہ بستیوں کے چوکوں میں نصب کیا گیا، تاکہ آنے والی جمہوریت کی دیوی کے سامنے انسانی خون کا بے بہا ہدیہ پیش کیا جا سکے۔ چنانچہ اس انقلاب جمہوریت کے لیے جو بعد میں صرف لفظوں کی بازی گری ہی بن کر رہ گیا اندازاً 66 لاکھ انسانوں کو گلوٹین کی بھینٹ چڑھایا گیا اور ہر سفید پوش انسان کو تلوار کی دھار پر سے گزار دیا گیا۔ اسی طرح جب روس میں اشتراکی انقلاب آیا جو خود بھی صرف نصف انسانیت کے مسئلے کا حل پیش کرنے کا ہی مدعی تھا تو ایک کروڑ سے زائد انسان قتل و غارت اور برفانی قید خانوں میں موت کے حوالے کے گئے۔ 18-1914 کی ہولناک جنگ عظیم میں یورپین ملک جو خود غلاموں کی تجارت کرتے تھے، اس مقصد کے لئے لڑے کہ وہ جرمنی کے مقابلے میں اپنی سلطنتوں کی آزادی کو برقرار رکھنا چاہتے تھے تو اس جنگ میں مقتولین کی جو تعداد بتائی گئی، وہ درج ذیل ہے:

روس: 17 لاکھ، جرمنی: 16 لاکھ، فرانس: 13 لاکھ، 70 ہزار، اٹلی: 4 لاکھ 60 ہزار، آسٹریا: 8 لاکھ، برطانیہ: 7 لاکھ 6 ہزار، ترکی: 2 لاکھ 50 ہزار، بلجیم: ایک لاکھ 2 ہزار، بلغاریہ: ایک لاکھ، رومانیہ: ایک لاکھ، سرویا: ایک لاکھ، امریکہ: 50 ہزار، مجموعی تعداد: 73 لاکھ 37 ہزار،

اس تعداد میں ان ممالک نے اپنی نوآبادیوں اور ہندوستان جیسے محکوم ممالک کے مقتولین کی تعداد شامل نہیں کی ہے۔ پھر دوسری جنگ عظیم بھی اسی مقصد کے لئے لڑی گئی جس مقصد کے لئے 1914ء میں لڑی گئی تھی اور تقریباً انہیں فریقین نے لڑی اس لیے کہ اتنے عظیم جانی نقصان کے باوجود وہ مسئلہ حل نہیں ہوا تھا۔ اس جنگ میں دوسری بار اربوں اور کھربوں پاؤنڈ اور ڈالر کے مالی نقصان کے علاوہ جو انسانوں کا جانی نقصان ہوا، وہ یہ تھا:

روس: 7 لاکھ 50 ہزار، امریکہ: 3 لاکھ، برطانیہ: 5 لاکھ 50 ہزار، فرانس: 2 لاکھ، جرمن: 28 لاکھ 50 ہزار، اٹلی: 3 لاکھ، چینی: 22 لاکھ، جاپانی: 15 لاکھ، اور کل مجموعی تعداد 106 لاکھ 50 ہزار۔ مالی طور پر صرف امریکہ کا 350 ارب ڈالر خرچ ہوا اور ایک کروڑ شہری گھر سے بے گھر ہو کر اجڑ گئے۔

یہ تو صرف دنیوی جنگوں کا نمونہ ہے۔ مذہبی جنگوں میں مہابھارت کی جنگ میں پورا ہندوستان تباہ ہو گیا اور بہت تھوڑے انسان زندہ بچ سکے۔ مقتولین کی تعداد ان کی اپنی روایت کی رو سے کروڑوں سے تجاوز کرتی ہے۔ یورپ میں مذہبی عدالتیں قائم ہوئیں تو ان کے ذریعے ایک فرقے کے لوگوں نے دوسرے فرقے کے ایک کروڑ بیس لاکھ افراد کو قتل کر دیا، زندہ جلا دیا۔ صرف اسپین میں ہی تین لاکھ چالیس ہزار انسانوں کو قتل کیا گیا، جن میں سے 32 ہزار کو تو زندہ جلا دیا گیا۔

اب اس قتل و غارت اور خون خرابے کے مقابلے میں اس انقلاب کو دیکھیے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی معرفت انسان کے جسم وروح میں برپا ہوا۔ اس انقلاب نے انسان کو زمین پر خدا کا خلیفہ بنایا اور عمل وکردار میں اسے فرشتہ سیرت بنا دیا اور یہ کام نہ صرف 21 سال کی مدت میں سرانجام پایا۔ اس جدوجہد میں صرف 918 انسان دوطرفہ قتل ہوئے۔ اس انقلاب کو برپا کرنے والی سراپا رحمت ہستی کو اب ہم خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ﷺ نہ کہیں تو پھر اور کیا کہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

(ماخوذ از ''رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب'')

# پیارے نبی ﷺ کیسے تھے؟

فرید اللہ مروت

سیرت مطہرہ کے دل ربا موضوع پر لکھنے کو بہت کچھ ہے، مگر وہ زبان، وہ طاقت، وہ صلاحیت، وہ استعداد کہاں سے لاؤں جس سے نبی کریم ﷺ کے اوصاف کاملہ، اخلاق فاضلہ اور فضائل حمیدہ کا بیان ہو سکے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

سمجھ نہیں آتی کہ بات کہاں سے شروع کروں، کیا لکھوں، کیا نہ لکھوں، کیسے لکھوں۔ آپؐ کے جسمانی خدوخال کا تذکرہ کروں، آپؐ کی چال، آپؐ کی رفتار اور انداز گفتگو کا ذکر کروں یا آپؐ کے سونے، جاگنے، بیٹھنے، کھانے پینے اور رہن سہن پر بات کروں، اپنوں اور غیروں کے ساتھ سلوک و برتاؤ پر تبصرہ کروں، انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے آپؐ کی بے چینی، اضطراب اور محنت و کوشش کا تذکرہ کروں، آپؐ کے ذوق عبادت اور شوق شہادت کو بتاؤں۔ آپؐ کے امام الرسل، سرتاج اولیاء، سید الاوّلین والآخرین اور افضل کائنات ہونے کا ذکر کروں۔

زعرش تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

لکھنے کے قابل تو ہر چیز ہے اور کتابوں میں لکھی بھی گئی ہے اور قیامت تک لکھی جاتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کمالات جن کا عالم امکان میں تصور ممکن ہے سب کے سب نبی کریم ﷺ کو عطا کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضور ﷺ کی مدح و ثنا فرمائی ہے۔

﴿اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ (ن:4)

"بے شک آپؐ بڑے ہی صاحب اخلاق ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝﴾

(النساء:113)

"آپؐ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔"

اور حضور ﷺ نے خود ارشاد فرمایا:

((بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ))

"مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔"

اور ایک اور جگہ ہے:

((بُعِثْتُ لِاُكَمِّلَ مَحَاسِنَ الْاَفْعَالِ))

"مجھے اچھے کاموں کو مکمل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی ذات مقدس میں تمام محاسن و مکارم اخلاق جمع تھے۔ سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں فرماتی ہیں:

((كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ))

"آپؐ کا اخلاق قرآن ہے۔"

اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جن اخلاق و صفات کا قرآن کریم میں ذکر ہے آپؐ ان سب سے متصف تھے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الشفاء" میں لکھتے ہیں: "آپؐ کی خوشنودی قرآن کی خوشنودی کے ساتھ اور آپؐ کی ناراضی قرآن کی ناراضی کے ساتھ تھی۔ یعنی آپؐ کی رضا امر الٰہی کی بجا آوری میں اور آپؐ کی ناراضی حکم الٰہی کی خلاف ورزی میں اور ارتکاب میں تھی۔"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کتاب تہذیب میں لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اخلاق و عادات کی تمام خوبیاں اور کمالات اور اعلیٰ صفات حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی میں جمع فرما دی تھیں۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اوّلین و آخرین کے علوم سے جو آپؐ کے شایان شان تھے، بہرہ ور فرمایا تھا حالانکہ آپؐ امی تھے۔ کچھ پڑھ لکھ نہیں سکتے تھے، نہ انسانوں میں سے کوئی آپؐ کا معلم تھا۔ اس کے باوجود آپؐ کو ایسے علوم عطا فرمائے گئے تھے جو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں کسی اور کو نہیں دیئے۔ آپؐ کو کائنات ارضی کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں مگر آپؐ نے دنیوی مال و متاع کے بدلے ہمیشہ آخرت کو ترجیح دی۔"

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ "نبی اکرم ﷺ علم و حکمت کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ سب سے زیادہ محترم، سب سے زیادہ منصف، سب سے زیادہ حلیم و بردبار، سب سے زیادہ پاک دامن و عفیف اور لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے اور لوگوں کی ایذا رسانی پر سب سے زیادہ صبر و تحمل کرنے والے تھے۔" (رسائل الوصول شمائل الرسول)

بخاری و مسلم میں سیدنا حضرت انس ؓ ہی سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، بہادر اور فیاض تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ تمام انسانوں میں سب سے اشرف تھے۔ اور آپؐ کے مزاج میں سب سے زیادہ اعتدال تھا اور جس میں یہ اوصاف ہوں تو اس کا ہر فعل بہترین افعال کا نمونہ ہوگا۔ وہ تمام لوگوں میں حسین ترین صورت والا ہوگا، اور اس کا خلق اعلیٰ ترین اخلاق کا نمونہ ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ جسمانی اور روحانی کمالات کے جامع اور خوبصورتی اور نیک سیرتی کے حامل تھے۔ اور سب سے زیادہ کریم، سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے بڑھ کر جود و سخا والے تھے۔"

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین تو از تنگی داماں گلہ دارد

ان مختصر الفاظ سے مدنی آقا محمد ﷺ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگایئے، اور غور کیجئے، کتنے جلیل القدر، کتنے رفیع الذکر، کتنے عظیم الشان نبیؐ کی امت میں ہونے کا ہمیں شرف حاصل ہے۔ ہم اپنی خوش قسمتی پر جتنا ناز کریں کم ہے۔ ہم جتنا بھی خود کو حضور ﷺ پر قربان کریں کم ہے۔ بلاشبہ امت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ہاں اسی قدر اس کی ذمہ داریاں بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔ امت کو تمام نوع انسانی پر شہادت حق کا فریضہ سونپا گیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ نبی کریم ﷺ کا اتباع اور شہادت علی الناس کا فریضہ ادا کر کے اپنے عمل سے محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی گواہی دیں۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اپنے حبیب ﷺ کے حقوق ادا کرنے والا اور سچی اتباع کرنے والا بنا دے اور اخلاص کے ساتھ حضور ﷺ کے فرامین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

# آپریشن "ہارٹ اٹیک"

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

قوم کے لیے آئے روز نت نئے ڈرامے تیار۔ قانون کی لاٹھی صرف غریب پر برسنے کے لیے ہے۔ مشرف جیسا اقراری مجرم، جس نے کتاب لکھ کر بانگ دہل، کمانڈو سٹائل فخریہ اپنے گناہ گنوائے ہیں، ایک نہایت محدود سی فرد جرم پر بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ امریکہ کو اڈے فراہم کر کے، سی آئی اے کے ایجنٹوں کو ملک میں کھلی چھٹی دے کر ملکی سلامتی داؤ پر لگائی۔ ہمسایہ مسلمان ملک کے لاکھوں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی، بستیاں، املاک تباہ ہوئیں۔ مسلم امہ کا قیمتی ترین خون ڈالروں کے عوض بیچا سمیت ڈاکٹر عافیہ کے، ملک کی شہ رگ کشمیر کا سودا کیا۔ 'سب سے پہلے پاکستان' سے مراد یہ ہوئی کہ مسلم ممالک کی بربادی کی ابتدا پاکستان سے ہو، سو ہو گئی۔ امریکہ کی خوشنودی کے لیے قبائل کو خون میں نہلا دیا۔ مساجد، مدارس، علماء ہٹ لسٹ پر آ گئے۔ لال مسجد کا ناقابل معافی سانحہ، اکبر بگٹی کا قتل، بلوچستان کو بندوق کی نوک پر رکھ کر آمادۂ بغاوت کیا۔ لاپتگی کے اندوہناک جرم کو رواج اور چلن بنا دیا۔ عدلیہ کو جوتے کی نوک پر رکھنا چاہا۔ قانون، آئین، انصاف کی دھجیاں بکھیریں۔

آج قانون نے اس کی جانب دیکھ کر کھنکھارا تو عارضۂ قلب لاحق ہو گیا۔ ملک کا تن ہمہ داغ داغ کرنے والے کے ماتھے پر پسینہ دیکھ کر دو شہر سناٹے میں آ گئے۔ روٹ لگ گیا۔ سکیورٹی ریڈ الرٹ پر چلی گئی۔ عدالت کی بجائے ہسپتال نے بڑھ کر ہاتھ تھام لیا۔ کہاں انصاف کا یہ عالم کہ صرف شک کی بنا پر ہزاروں ماؤں کے لعل ماورائے قانون و عدالت اٹھا کر غائب کر دیے۔ عقوبت خانوں میں جھونک دیے۔ جعلی پولیس مقابلوں میں بلا ثبوت بلا تحقیق مار ڈالے۔ وہ ہزاروں عدالت میں پیش ہونے کو سسکتے ہیں۔ غریب والدین جوان اولاد سے محروم، زندہ شوہروں کی بیواؤں اور پوتے پوتیوں کو لیے نان شبینہ سے بھی محروم، قرضوں تلے دبے، وکیلوں کی فیسیں بھرتے بھرتے ملک کی عدالتوں، کمیشنوں میں سسکتے، بلکتے، ایڑیاں رگڑتے انصاف کی بھیک مانگتے ہیں۔ ان میں سے کوئی اگر بعد از خرابیٔ بسیار مل گیا تو گردے فیل، ٹی بی کے مریض، زندہ لاشیں، ڈھانچے تھے۔ عبدالباسط، عبدالماجد شدید واویلے کے بعد جب عدالت میں پیش ہوئے تو وہ کڑیل جوان بیٹے نیم مردہ، ہاتھوں میں پیشاب کی تھیلی (Urine Bag) اٹھائے دید کی پیاسی ماں کے سامنے ناقابل شناخت حالت میں لائے گئے۔ ایک بیٹے عبدالصبور کی پشاور میں پھینکی گئی لاش وہ پہلے وصول کر چکی تھی۔ یوں اگلی صبح روحیفہ بی بی انصاف لینے بڑی عدالت۔۔۔ 'مالک یوم الدین' کے حضور چل دی۔ ان تین بیٹوں نے آئین، قانون کے حوالے سے کون سا گھناؤنا جرم کیا تھا جس کی سزا اتنی سخت ٹھہری تھی؟ عدالت انہیں بری کر کے اڈیالہ جیل سے رہا کر چکی تھی!

مشرف کو چھوڑ دیجیے۔ حسنی مبارک کی طرح وہ بھی بے گناہ ہے۔ شیرون، صابرہ شتیلا کا بھیڑیا اور قصاب بھی بے گناہ تھا۔ ان عالی شان امریکہ کے ہیرو کا درجہ رکھنے والوں کے لیے دنیا کی عدالتیں نہایت ناکافی ہیں۔ ان کا حساب یہاں ممکن بھی تو نہیں۔ اس کے لیے ایک اور دن درکار ہے، سو وہ آ کر رہے گا۔ شیرون تو 2006ء سے حساب چکا رہا ہے۔ جس دن وہ کومے میں گیا تھا اس دن ایک مظلوم فلسطینی نے ٹیلی ویژن انٹرویو میں کہا تھا۔۔۔ اب یہ نہ جیئے گا نہ مرے گا! سارا اسرائیل، پوری دنیا کی طبی مشینری مل کر اسے عافیت اور صحت نہ دے سکی۔ وہ اسی حالت میں سات سالوں سے معلق ہے۔ ابھی وہ مقام باقی ہے جس کا وعدہ ہے ﴿ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ﴾ (الاعلیٰ:13) "پھر نہ اس (بڑی آگ) میں جیئے گا نہ مرے گا۔" 21ویں صدی کے یہ سارے مہذب وی آئی پی ہلاکو اور چنگیز جنہوں نے اپنے آقائے ولی نعمت بش کی اقتدا میں مسلم امہ میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی، اسلام اور شعائرِ اسلام، قرآن، نبی اکرم ﷺ کی حرمت پامال ہونے میں ممد و معین ہوئے، خوبصورت اصطلاحوں، الفاظ کے ہیر پھیر، قانونی قلابازیوں سے ان کا دفاع ممکن نہیں۔

المیہ تو یہ ہے کہ زمین پر سارے جرائم مل مل کر اداروں، جتھوں، پارٹیوں کی صورت کیے جاتے ہیں۔ زیر زمین حساب کی منزلیں، چپ چاپ کفن لپیٹے، تنہا تنہا سر کرنی پڑتی ہیں۔ یہ پہلی منزل ہے۔ سخت تر آگے ہیں۔ عالم فاضل وہ نہیں جو دنیا، اس کی سیاست، اس کے علوم و فنون، اعداد و شمار، حرب و ضرب کا فن جانتا ہے۔ عالم وہ صاحب علم ہے، جو ازل تا ابد اور مٹی کے ڈھیر تلے کی ساری کہانی جانتا ہے۔ وہ نہیں جو چاند، مریخ کی تھگلیاں لگاتا، سمندر کی پاتالوں کی خبر لاتا ہے۔ وہ ہے جو اس سرزمین کا علم رکھتا ہے جہاں موت نہیں ہے۔ ابدی راحتوں کا سامان ہے یا ابدی دکھوں کی لامتناہی داستان منتظر ہے۔ جو آیت الکرسی والے کو نہیں جانتا وہ چھوٹی سی کرسی پر۔۔۔ تیسری دنیا کے مقروض مفلوک الحال ملک کی کرسی پر بیٹھ کر ہوش کھو دیتا ہے اور جو جانتا پہچانتا ہے وہ تین براعظموں کا حکمران ہو کر بھی صورت عمرؓ داڑھی آنسوؤں سے تر رکھتا ہے کرسی والے کے حضور جوابدہی کے خوف سے۔ چھوڑ دیجیے، غریب ملک کا پیسہ مشرف ڈراموں پر نہ بہائیے۔ جانے دیں انہیں اپنی علاج گاہوں، پناہ گاہوں میں بیرون ملک۔

پوری مسلم امہ ایک ہی کہانی سے دوچار ہے۔ اب باری ہے ترکی کی۔ پاکستان کے لیے درآمد شدگان یاد کیجیے۔ معین قریشی، شوکت عزیز، کہاں سے آئے، کہاں گئے؟ لندن سے ویڈیو لنک قیادت الطاف حسین، کینیڈا سے نیا ویڈیو لنک مقرر طاہر القادری! ترکی کے لیے امریکہ نے اسی تسلسل میں فتح اللہ گولن کو سنبھال، پال رکھا تھا۔ گولن عدلیہ، گولن پولیس کے ذریعے اب طیب اردوان کو مرسی بنائے جانے کی تیاری ہے۔ طیب کے 'امریکی گناہ' اب حد سے بڑھ گئے۔ غزہ کے غم میں تڑپنے والا، ڈیوس کانفرنس میں اسرائیل کو کھری کھری سنانے والا، شام میں امریکی عزائم کی راہ میں رکاوٹ، خوبصورت لحن میں طویل قراءت کرنے والا (حالانکہ مسلم قیادت وہ ہو جو سورۂ اخلاص نہ پڑھ پائے۔ امریکی پرکھ کا معیار!) اس سے تو خلافت عثمانیہ کی بو آتی ہے جس کی دشمنی رومیوں کی رگ رگ میں رچی بسی ہے۔ تین براعظموں پر محیط جس مسلم سلطنت کی قوت و شوکت کے آگے یورپ تھراتا رہا! آمد دجال کی تیاری میں ہر مسلم

ملک کا مصر بنایا جانا ضروری ہے۔ یکساں قوانین (تحفظ پاکستان، تحفظ مصر آرڈیننس)، یکساں اصطلاحات و طریق کار (لاپتگی، اُدھر اخوان کے اثاثے ضبط، ادھر دہشت گردی قوانین کی یہی شق یہاں بھی لاگو)

سب سے پہلے پاکستان۔ مصر، اردن ایک سے راگ الاپے گئے۔ تعلیم، میڈیا، سول سوسائٹی، سیکولر دانشور، سیکولر روحانی شخصیات امریکی ڈیوٹی پر مامور ہیں۔ یکساں طور پر ہر مسلم ملک میں، گولن کی اسلامی روحانی سیکولر تعلیم! اس پر پانی کی طرح بہتے اربوں ڈالر کی کھپت۔ اسلام ایسا نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت (Spineless Toothless) جہاد کی جیم قاعدے میں بھی نہ ہو۔ وحید الدین خان کا قرآنی اسلوب، کتب کا جال بچھانے والے ادارے مقبول عام بنائے جائیں۔ جو فرماتے ہیں' (نزول قرآن) اگر جنگ اور امن کے سالوں میں تقسیم کیا جائے تو 20 سال امن کے ہیں اور جنگ کے سال صرف 3 ہیں۔۔۔ جنگ سے متعلق وحی الٰہی مخصوص حالات تک محدود تھی، اس کا عمومی اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اس پر آنے والے تمام ادوار کے لئے عمل درآمد مطلوب نہ تھا' (انگریزی ترجمۂ قرآن: وحید الدین خان) 475 آیات جہاد منسوخ العمل قرار دے دیں۔ مدینہ کے 10 سالوں میں نکلنے والے 76 لشکر تاریخ اور سیرت سے محو ہو گئے۔ یہ عالمی رینڈ کارپوریشن اسلام ہے جو کمر بستہ اسلحہ بردار امریکی بحری بیڑوں، برستے میزائلوں کی بارش، شام میں سفاک ترین قتل عام سے ایک آنکھ بند کر کے دجالی لشکر کی بھیڑیں فراہم کرے۔ اس کا نام ہر جگہ مختلف اور کہانی ایک ہے۔ شام میں کتے بلیاں کھا کر بموں تلے زندگی بسر کرنے والے مجبور و مقہور شامی، اُدھر دبئی، برج خلیفہ پر کروڑوں ڈالر کی آتش بازی، نئے سال کا جشن! عالمی دہشت گرد القاعدہ۔۔۔ بالمقابل عالمی امن کی فاختائیں۔۔۔ الفائدہ انٹرنیشنل! ہماری حکومت بھی پوری فدویت کے ساتھ سیاست، تعلیم، ابلاغ، ثقافت، معیشت ہر شعبے میں امریکی کالونی ہونے کا ثبوت فراہم کر رہی ہے۔ ورنہ کرسی جاتی ہے!

☆☆☆

**پریس ریلیز** 10 جنوری، 2014ء **حافظ عاکف سعید**

## دہشت گردی کے کسی ایک واقعے کو عذر بنا کر قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشن تباہ کن ہوگا

## پرویز مشرف اہل پاکستان کا ہی نہیں، ملت اسلامیہ کا مجرم ہے

### عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ غداری کیس میں چھوٹے بڑے اور عام آدمی اور بااثر شخصیت کا فرق نظر نہ آئے

ملک میں خونریزی ختم کرنے کے لیے تحریک طالبان سے مذاکرات کے سوا کوئی دوسرا آپشن نہیں۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کراچی میں پولیس آفیسر کے قتل کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ایسی خونریزی کو عذر بنا کر فوجی آپریشن کی باتیں کرنا تباہ کن ہوگا۔ انہوں نے سوال کیا کہ اگر فوجی آپریشن بھی ناکام ہو گیا اور خونریزی نہ رک سکی تو پھر کیا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی 66 سالہ تاریخ میں کوئی فوجی آپریشن مثبت نتائج پیدا نہ کر سکا۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں قتل و غارت کا سلسلہ سابق صدر پرویز مشرف کے امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بننے کی وجہ سے شروع ہوا۔ انہوں نے کہا کہ پرویز مشرف کی بیماری پر تبصرہ کرنا مناسب نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُس کے جرائم کی فہرست بڑی طویل ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ وہ آئین شکنی کا مرتکب ہوا لیکن ہماری نگاہ میں اس کا اصل جرم اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات سے انحراف کرتے ہوئے ایک کافر جارح ملک سے تعاون تھا، جس کی وجہ سے افغانستان کی اسلامی ریاست تباہ و برباد ہوگئی اور لاکھوں افغانی مسلمان شہید ہو چکے ہیں۔ عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ مجرم معمولی آدمی ہو یا کوئی بااثر شخصیت اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور جرم ثابت ہونے پر ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ آئندہ کوئی ایسے جرم کے ارتکاب کا تصور بھی نہ کرے۔ انہوں نے کہا کہ پرویز مشرف اہل پاکستان کا ہی نہیں ملت اسلامیہ کا مجرم ہے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

**عقابوں کی خوراک زرشک (Barbbery) دستیاب ہے**

**فوائد:**

- دماغی تقویت کے لیے ● نظر کی قوت بڑھاتا ہے ● بڑھاپے کے اثرات دور کرتا ہے
- ہیپاٹائٹس کا پرانے سے پرانا مرض، جگر کی کوئی تکلیف، کالا پیلا یرقان، جگر سکڑ ا ہوا یا جگر کا کینسر بتایا گیا ہو
- دائمی قبض کو ختم کرتا ہے ● بلڈ پریشر (لو یا ہائی) دونوں صورتوں میں فائدہ مند ہے ● دائمی سر درد ختم کرتا ہے

رابطہ: **امجد ظہور 0333-4909834**

گڑھی شاہو (مرکز تنظیم اسلامی) لاہور

## مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے اسلامی جمعیت طلبہ اور

# جماعت اسلامی سے تنظیم اسلامی تک

### داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتاب زیست کے چند اوراق

### خلافت فورم میں بانی تنظیم اسلامی کا یادگار انٹرویو

**میزبان: ایوب بیگ مرزا**

**سوال:** ڈاکٹر صاحب! آپ سب سے پہلے اپنی ابتدائی زندگی کے بارے میں بتا دیجیے؟

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ:** میرا خاندانی پس منظر یہ ہے کہ میری والدہ حضرت صدیق اکبرؓ کی نسل سے تھیں۔ میرے ددھیال میں میرے پڑدادا حافظ نور اللہ ایک قصبہ حسین پور جو یوپی کے مغربی ضلع مظفر گڑھ میں واقع ہے کے رئیس تھے۔1857ء کے بعد ان کی جائیداد ضبط ہوگئی تھی۔ سبب یہ تھا کہ جنگ آزادی میں ایک انگریز ڈپٹی کمشنر مجروح ہو کر ان کے پاس پناہ مانگنے آیا تھا تو انہوں نے اُسے پناہ نہیں دی تھی۔ اس جرم میں ان کی ساری جائیداد ضبط کر لی گئی۔ چنانچہ انہوں نے وہاں سے نقل مکانی کی اور دریائے جمنا عبور کر کے مشرقی پنجاب کے ضلع حصار آ گئے۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔ وہاں انہوں نے سرکاری ملازمت شروع کی۔ میرے والد صاحب وہیں پیدا ہوئے اور 1947ء میں ہم ان کے ساتھ پاکستان آئے ہیں۔ میرے ددھیال نسلی اعتبار سے اگروال شطری راجپوتوں کی نسل سے ہیں۔ ان میں جو پہلے شخص مسلمان ہوئے تھے ان کا نام دیوان باری بخش رکھا گیا تھا۔ باقی کوئی خاص تفاصیل میرے علم میں نہیں ہیں۔

میری پیدائش 26 اپریل 1932ء کو ہوئی۔ دادا کا ایک چھوٹا سا مکان تھا، جہاں ہماری رہائش تھی۔ میری پیدائش سے پہلے والدہ نے اپنا زیور فروخت کیا اور اس وقت کی جو حصار کی پوش آبادی بن رہی تھی اس میں مکان بنایا۔ اسی مکان میں میری ولادت ہوئی۔ 1947ء میں میٹرک وہیں سے کیا۔ میں پورے ضلع میں اوّل آیا تھا۔ اس وقت میٹرک کا امتحان یونیورسٹی کا ہوتا تھا۔ پوری پنجاب یونیورسٹی میں مسلمانوں میں آٹھویں نمبر پر تھا۔ میں جب پانچویں جماعت کا طالب علم تھا تو میرے بڑے بھائی یہاں اسلامیہ کالج میں پڑھتے تھے۔ ریواز ہاسٹل میں رہتے تھے۔ وہ چھٹیوں میں گھر آئے تو میرے لیے ''بانگِ درا'' لے کر آئے۔ اسے میں ترنم کے ساتھ پڑھتا تھا۔ کچھ سمجھتا تھا، کچھ نہیں سمجھتا تھا۔ اس میں سے بعض چیزیں میرے ذہن پر نقش ہوگئیں۔ ایک تو اقبال کا یہ پیغام کہ مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ ہوگی اور مسلمان دنیا میں عروج حاصل کریں گے۔ خاص طور پر جواب شکوہ کا ایک شعر میرے ذہن میں پیوست ہو گیا کہ

**مرتب: فرقان دانش**

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

میٹرک میں بطور مضمون عربی پڑھی تھی۔ عربی کی بنیادیں ہائی سکول کے زمانے میں پختہ کر لی تھیں۔ اس دوران تحریکِ پاکستان میں بھی میں ایک چھوٹے سے کارکن کی حیثیت سے شریک تھا۔ میں مسلم لیگ کے سٹوڈنٹ وِنگ میں شامل تھا اور فعال تھا۔ ضلع حصار کی مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن کا جنرل سیکرٹری تھا۔ اسی زمانے میں مجھے مولانا مودودیؒ کے کچھ بنیادی کتابچے پڑھنے کا موقع ملا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے بھی کچھ مقالات پڑھے۔ اس طرح میں اسلام کے انقلابی فکر سے بھی واقف ہو گیا تھا اور ایک حد تک میرے اندر اس کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا۔ تاہم عملی طور پر تحریکِ پاکستان میں مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن کے پلیٹ فارم سے کام کرتا رہا۔

**سوال:** آپ نے فرمایا اقبالؒ سے تعلق آپ کا بچپن میں ہو گیا اور مولانا مودودیؒ کی تحریریں بھی آپ نے پڑھیں اور آپ اس سے متاثر ہوئے۔ اسی وقت آپ مسلم لیگ کے سٹوڈنٹ وِنگ (MSF) کے بھی عہدیدار تھے۔ اس وقت مولانا مودودیؒ مسلم لیگ کی قیادت پر شدید تنقید کر رہے تھے، آپ ان دونوں چیزوں کو اکٹھا لے کر کیسے چلے؟

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ:** میں اس طرح کرتا تھا کہ جب ہمارے ہاں مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن کے حلقے میں بعض لوگ جو بہت غالی قسم کے لیگی تھے وہ مولانا مودودیؒ پر تنقید کرتے تھے تو میں ان سے لڑتا تھا کہ یہ کام غلط ہے۔ یہ ان کی رائے ہے اور ان کے خیالات اپنی جگہ ہیں۔ ٹھیک ہے ہمارا اختلاف ہے اور ہم پاکستان کے لیے کام کر رہے ہیں لیکن ہمیں ان کا احترام کرنا چاہیے۔ وہاں جماعتِ اسلامی کے ایک ہفتہ وار اجتماع میں درسِ قرآن ہوتا تھا۔ میں اس میں ریگولر شریک ہوتا تھا۔ میرے نزدیک اس میں کوئی خاص تضاد نہیں تھا۔ نشاۃِ ثانیہ کے لیے مولانا مودودیؒ کا انقلابی انداز کا ایک طریقہ کار تھا جس کے مطابق قومی بنیاد پر نہیں بلکہ اُصولی بنیاد پر ایک جماعت قائم کرنے کا پروگرام دیا گیا تھا۔ یعنی وہ لوگ جو خود اسلام کو اپنے اُوپر نافذ کریں، وہ جمع ہوں اور ان کی جدوجہد سے اسلامی ریاست قائم ہو۔ 1940ء میں مولانا مودودیؒ نے علی گڑھ یونیورسٹی میں ''اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے'' کے عنوان سے مقالہ پڑھا تھا۔ جس میں انہوں نے بیان کیا کہ مسلم لیگ نعرہ لگا رہی ہے کہ ہم اسلام کو قائم کریں گے، اسلام کو نافذ کریں گے لیکن یہ کام قومی تحریک سے نہیں ہو سکتا۔ اس سے قومی ریاست ہی وجود میں آئے گی۔ تاہم اس وقت مسلمانوں کی جو قومی کیفیت تھی اور ان کے مستقبل کے تحفظ کے لحاظ سے یہی محسوس ہوتا تھا کہ مسلم لیگ کے پروگرام میں حصہ لیا جائے۔ بہرحال اس معاملے میں مجھے کوئی تضاد محسوس نہیں ہوتا تھا۔

**سوال:** ڈاکٹر صاحب! 1951ء میں پاکستان کے پہلے انتخابات پنجاب میں ہوئے۔ اس میں جماعتِ اسلامی نے بھی حصہ لیا اور آپ نے جماعتِ اسلامی کی طرف سے انتخابی مہم میں بھرپور کردار ادا کیا۔ پھر 1957ء میں جماعتِ اسلامی کا ایک بہت بڑا اجتماع ماچھی گوٹھ میں ہوا تھا۔ اس میں آپ نے جماعت اسلامی پر الزام لگا دیا کہ وہ اپنے بنیادی مؤقف سے منحرف ہو گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ

1951ء میں آپ بھی انتخابات میں بڑے زور وشور سے حصہ لے رہے ہیں اور 1957ء میں آپ کہہ رہے ہیں کہ اس راستے سے اسلام آ نہیں سکتا۔ یہ تبدیلی تو آپ میں آئی، جماعت کی تبدیلی تو بعد کی بات ہے؟

**ڈاکٹر اسرار احمد:** آپ کی بات جزوی طور پر درست ہے۔ میں جب جماعت اسلامی کے ساتھ عملاً وابستہ ہوا ہوں تو ابتداء میں حلقۂ ہمدرداں میں شامل ہوا۔ اس وقت میری عمر 15 برس تھی۔ اس وقت کوئی سمجھ اور فہم کا معاملہ اتنا زیادہ نہیں تھا۔ چونکہ مولانا مودودیؒ کھڑے ہو گئے تھے کہ جب اسلام کے نام پر ملک لیا گیا ہے تو یہاں پر اسلامی دستور بننا چاہیے۔ مطالبۂ دستورِ اسلامی کے حوالے سے انہوں نے ایک تحریک شروع کی اور میں اس جدوجہد میں ان کے ساتھ شریک رہا۔ اس کے بعد جب میں میڈیکل کالج میں داخل ہوا تو ہاسٹل میں چلا گیا۔ یہاں میرا جماعت کے ساتھ ربط زیادہ نہیں رہا۔ ہاسٹل لائف میں اسلامی جمعیت طلبہ میں کام کرنے کا موقع ملا، جو پوری تندہی سے کیا۔ میرا مزاج اللہ نے ایسا بنایا ہے کہ اگر کسی چیز کو اختیار کرتا ہوں تو پوری طرح کرتا ہوں۔ بہرحال جماعت اسلامی کے ساتھ کام کر کے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ خود اللہ اور رسول ﷺ کا فرماں بردار ہو اور اسی کی دعوت دوسروں کو بھی دے۔ اور پھر یہ کہ اسلام کو ایک نظام کی حیثیت سے قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ یہ فکر میرے سامنے ''شہادت حق'' نامی پمفلٹ سے آیا، جس میں مولانا مودودیؒ نے یہی بات بیان کی ہے۔ اس سے میں نے یہی اخذ کیا کہ اسلام کو قائم کرنے کے لیے ایک جماعت ضروری ہے۔ میں اس جماعت میں شامل تھا، اس لیے جماعت کی انتخابی مہم کے لیے کام کر رہا تھا، لیکن محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں کوئی غلطی ہو رہی ہے۔ 1951ء کے الیکشن میں بھی ہم نے ڈٹ کر حصہ لیا۔ میں نے بہت کام کیا۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب ماڈل ٹاؤن سے کھڑے ہوئے تھے۔ ہم نے ان کے لیے الیکشن کی مہم پُر زور انداز میں چلائی تھی۔ اگرچہ ہمارے پاس لوگ نہیں آتے تھے۔ اس لیے کہ مسلم لیگ کی شاخوں کا ہی آپس میں مقابلہ تھا۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد یہ احساس زیادہ شدید ہو گیا کہ جماعت کے بغیر زندگی گزارنا درست نہیں۔ لہٰذا ہی میرا نتیجہ نکلا، اسی رات کو میں نے جماعتِ اسلامی کی رکنیت کے لیے درخواست دے دی۔ انہوں نے ڈیڑھ مہینہ لیا۔ میں فروری 1955ء میں جماعتِ اسلامی کا رکن بن گیا۔ اب میں نے اندر جا کے جو حالات دیکھے تو مجھے اندازہ یہ ہوا کہ اُصولی اعتبار سے اور شخصی کردار کے اعتبار سے بات وہ نہیں ہے جو ہم نے لٹریچر میں پڑھی ہے، کیونکہ ہمارا سارا رابطہ لٹریچر کے ساتھ تھا۔ اس پر بھی زیادہ غور کرنا پڑا کہ کیا سبب ہے۔ کیوں یہ چیز صحیح نتائج بر آمد نہیں کر رہی۔ اسی طرح جب 1956ء کا دستور بنا —— جس کے لیے جماعت نے بڑی محنت کی تھی —— اس وقت لگتا تھا کہ شاید اب منزل بہت قریب آ گئی ہے۔ دستور بن گیا ہے، اب یہاں اسلام آ جائے گا۔ مگر اس کے بعد یہ ہوا کہ وہ ساری بساط ہی لپیٹ دی گئی۔ اس پر ایک سوالیہ نشان سامنے آیا۔ اس کے بارے میں جب غور کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ جماعت اسلامی اپنی اصل ڈگر سے ہٹ گئی ہے، جو ایک اُصولی انقلابی جماعت تھی۔ جماعت اسلامی اگرچہ قائم تو 1941ء میں ہوئی تھی لیکن اس کا فکری ہیولا مولانا مودودیؒ نے 40-1939ء کی اپنی تحریروں میں پیش کیا تھا۔ اس وقت سے لے کر قیامِ پاکستان تک اس نے ایک اُصولی انقلابی جماعت کا رول ادا کیا تھا، قومی مسائل میں کوئی دلچسپی لی نہیں۔ قیام پاکستان کے بعد محسوس ہوا کہ جماعت نے الیکشن میں حصہ لے کر ایک اسلام پسند قومی سیاسی جماعت کا جو رول اختیار کر لیا ہے، اس سے اُس کا انقلابی رنگ ختم ہو گیا ہے۔ یہی خیال جماعت سے میری علیحدگی کا سبب بنا۔

**سوال:** ڈاکٹر صاحب! 1957ء میں جماعت اسلامی کا جو ماچھی گوٹھ کا اجتماع ہوا تھا، اس کے بعد جماعت اسلامی کے کچھ بڑے جماعت سے نکلے تھے۔ آپ بھی ان کے ساتھ نکلے تھے۔ وہ سب مولانا مودودیؒ کی ذات کے حوالے سے تو ناقد تھے، لیکن ان کا آپس میں بھی اختلاف تھا۔ آپ لوگوں کا جو اتحاد تھا کیا یہ مولانا کی ذات کے حوالے سے نہیں تھا؟

**ڈاکٹر اسرار احمد:** پہلی بات یہ نوٹ کر لیجیے کہ کوئی گٹھ جوڑ سرے سے تھا ہی نہیں۔ لوگوں کی انفرادی سوچ تھی جس میں مختلف پہلوؤں میں یک رنگی بھی تھی۔ مثلاً یہ تو تقریباً سب کا خیال تھا کہ ہم غلط راستے پر آ گئے۔ 1955ء میں کراچی کے کیولری گراؤنڈ میں جماعت اسلامی کے آل پاکستان اجتماع میں یہ بات کھل کر سامنے آئی۔ اس اجتماع میں بہت سے لوگوں نے اپنی تجاویز بھیجی ہوئی تھیں کہ جماعت کے دستور میں یہ ترامیم ہونی چاہئیں۔ کچھ لوگوں نے جماعت کی پالیسی کے بارے میں اظہار کیا کہ یہ غلط رُخ پر چلی گئی۔ مولانا مودودیؒ نے حکمتِ عملی سے کام لیا۔ اس لیے کہ اس وقت وہ دستور بنانے کے لیے ایک تحریک چلا رہے تھے۔ جس کا بہرحال کچھ نہ کچھ اثر تھا کہ 1956ء کا دستور بنا۔ لہٰذا انہوں نے اس وقت کارکنوں کی اس سوچ کو Divert کیا کہ اگر ہم نے اس وقت سالانہ جلسے کے اندر یہ ایشوز اوپن کر دیے تو پنڈورا باکس کھل جائے گا اور لوگ کنفیوژن کا شکار ہو جائیں گے اور وہ منتشر ہو جائیں گے۔ لہٰذا انہوں نے جماعت کے تنظیمی حلقوں سے دو دو آدمی منتخب کیے اور ایک دستوری کمیٹی بنا دی تاکہ جماعت کے دستور کے اندر ترامیم وغیرہ کی جو تجاویز آئی ہیں ان کی روشنی میں یہ لوگ بیٹھ کر جائزہ لیں۔ ان میں حلقۂ اوکاڑہ کے دو نمائندگان میں سے ایک میں بھی تھا۔ اسی طرح جماعت کی پالیسی کے معاملے کے لیے بھی انہوں نے ایک کمیٹی بنا دی جس کا نام جائزہ کمیٹی رکھا کہ جو پورے ملک میں گھوم پھر کر جائزہ لے اور جن کو پالیسی کے بارے میں اشکالات ہیں، یہ کمیٹی ان کو جا کر سنے۔ اس وقت اکثر و بیشتر لوگ یہ تو محسوس کر رہے تھے کہ کچھ خرابیاں ہو گئی ہیں لیکن کوئی نشاندہی نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا خرابیاں ہیں؟ جب اوکاڑہ میں جائزہ کمیٹی آئی تو وہاں بھی انہوں نے ایک ایک آدمی کو گفتگو کرنے کے لیے بلایا۔ میں نے کاغذ پر کچھ پوائنٹس نوٹ کر لیے کہ وہاں یہ باتیں کرنی ہیں۔ میں نے جب باتیں کیں تو وہ چاروں حضرات مولانا عبدالجبار غازی، عبدالغفار حسن، عبدالرحیم اشرف اور شیخ سلطان صاحب کے تاثرات سے ایسے لگا کہ ان کی آنکھیں کھل سی گئی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ یہ چیزیں لکھ کر نہیں دے سکتے۔ میں نے کہا کہ میں لکھاری آدمی نہیں ہوں اور میں نے کبھی کچھ لکھا ہی نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے آپ کوشش کریں۔ اس کے بعد میں نے 10 دن میں اپنے کلینک کی مصروفیت کے ساتھ اپنے خیالات کو تحریری شکل دینا شروع کی۔ اس تحریر میں کتابوں سے حوالے کاٹ کاٹ کر پیسٹ بھی کیے۔ اس کے بعد پانچ دن کے لیے میں لاہور میں آ کر اپنی ہمشیرہ کے گھر (جو کرشن نگر (اسلام پورہ) رہتی تھیں)، دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔ یوں میں نے ڈھائی سو صفحے کا بیان تیار کر کے دے دیا۔ اس بیان نے بہت بڑا رول پلے کیا۔ مولانا عبدالجبار غازی صاحب نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ میں حیران ہوں کہ ہم بوڑھے لوگ حالات وواقعات سے گزر کر جن نتائج تک پہنچے ہیں اس نوجوان نے صرف لٹریچر کے تجزیے سے وہ سارے نتائج حاصل کر لیے۔ پھر شوریٰ کا اجلاس ہوا۔ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ میں وہی بات آ گئی کہ جو کام غلط ہو گیا ہے ہمیں

اس میں کچھ ترمیم کرنی چاہیے۔ مولانا اصلاحی صاحب نے بھی مولانا مودودیؒ اور شوریٰ کے لوگوں سے کہا کہ ’’ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا بیان سب لوگ ضرور پڑھیں، اس میں اگرچہ مجھ پر بھی بڑی شدید تنقید ہے لیکن وہ ٹھیک بات کر رہا ہے۔‘‘ مولانا مودودیؒ نے کہا کہ میرے پاس تو ٹائم نہیں ہے، یہ بہت بڑا بیان ہے۔ بہرحال جس نے اس کو پڑھا سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ اصل میں ہوا یہ کہ لوگ جو بات محسوس کر رہے تھے کہ کچھ گڑبڑ ہے، اسی کو میں نے مرتب کر کے تحریری شکل دے دی تھی۔ وہ یہ کہ جماعتِ اسلامی کا اپنی بنیادی فکر سے یوٹرن لینے کی وجہ سے پورا معاملہ تبدیل ہو کر رہ گیا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے جب جائزہ کمیٹی کا رنگ دیکھا کہ یہ لوگ اب میرے معتقد نہیں رہے تو انہوں نے امارت سے جذباتی انداز میں استعفا دے دیا۔ اب سب لوگ خوشامد کرنے لگے۔ وفد کے وفد پنجاب، کراچی وغیرہ سے آنے لگے کہ مولانا استعفا واپس لیں۔ اس پر انہوں نے یہ کیا کہ جائزہ کمیٹی کے ارکان کو ایک خط لکھا کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ چاہے آپ کی کوئی نیت تھی یا نہیں تھی لیکن آپ نے غیر شعوری طور پر جماعت کے خلاف ایک سازش کی ہے، میں آپ کو Option دیتا ہوں کہ یا تو آپ خود شوریٰ سے مستعفی ہو جائیں، یا جن جن حلقوں سے آپ منتخب ہو کر آئے تھے میں ان کے سامنے آپ کا کیس رکھوں گا۔ وہاں کے لوگ آپ کے بارے میں جو کہیں گے وہ کیا جائے گا۔ اس پر مولانا اصلاحی کھڑے ہو گئے اور انہوں نے مولانا مودودیؒ کو ایک زبردست خط لکھا۔ اب یہ دونوں (مولانا مودودیؒ اور مولانا اصلاحیؒ) مدمقابل ہو گئے، جو 17 برس سے یکجان دو قالب رہے تھے۔ بہرحال اس کے بعد کئی مراحل آئے جس کے نتیجے میں جماعت کی نئی پالیسی سے اختلاف رکھنے والے لوگ الگ ہو گئے۔

**سوال**: ’’جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ‘‘ آپ نے جماعت کے اندر رہ کر لکھی لیکن اسے 10 سال بعد شائع کیا۔ ایسا کیوں ہوا؟

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ**: اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں کہ محض تخریب جائز نہیں ہے جب تک کہ تعمیر کا پروگرام شامل نہ ہو۔ ظاہر بات ہے کہ اس وقت جو لوگ الگ ہوئے وہ سینئر لوگ تھے۔ میں انتظار کرتا رہا کہ یہ بڑے لوگ کوئی جماعت قائم کریں گے تو میں بھی لبیک کہوں گا۔ جب میں جماعت سے علیحدہ ہوا تو میری عمر کل 25 سال تھی۔ میں کوئی نئی تحریک یا نئی جماعت شروع نہیں کر سکتا تھا۔ اُمید یہ تھی کہ یہ بڑے لوگ (عبدالغفار حسن، عبدالرحیم اشرف اور مولانا عبدالجبار غازی، شیخ سلطان احمد) سر جوڑ کر بیٹھ جائیں گے تو کوئی نئی تنظیم، نیا ڈھانچہ بن جائے گا۔ لہٰذا میں نے اس کو روکے رکھا۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ لوگ کچھ نہیں کر رہے تو میں نے سوچا کہ ہر شخص کو اپنی قبر میں جانا ہے اور اپنا حساب خود پیش کرنا ہے۔ میں یہ کہہ کر تو نہیں چھوٹ جاؤں گا کہ انہوں نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ لہٰذا میں نے 1965ء میں طے کیا کہ کچھ بھی ہو، میں اپنے طور سے کام شروع کروں گا۔ میں ایم بی بی ایس کر کے ساہیوال چلا گیا تھا، پھر وہاں سے میں 1965ء میں لاہور دوبارہ اس عزم کے ساتھ منتقل ہوا کہ اب میں نے اپنی بنیاد پر ایک دعوت دینی ہے اور اس پر تنظیم اور جماعت اُٹھانی ہے۔ اس وقت میں نے وہ کتاب شائع کی۔

**سوال**: جماعتِ اسلامی اور تنظیم اسلامی دونوں اپنا ایک ہی ہدف بتاتی ہیں۔ آپ نے جو الگ جماعت بنائی اس کی وجہ صرف طریقہ کار کا اختلاف تھا یا اور بھی کوئی اختلاف تھا؟

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ**: چھوٹے موٹے اختلافات تو بہت تھے مثلاً وہ جو آئیڈیل دور ہے جماعتِ اسلامی کا 1939ء سے 1950ء تک، اس میں بھی مجھے دو خامیاں نظر آتی تھیں اور میں نے اپنے اس بیان میں بھی لکھ دیا تھا لیکن اس پر اصرار نہیں کیا تھا۔ ایک خامی مجھے یہ محسوس ہوتی تھی کہ مولانا مودودیؒ شدت پسند ہیں۔ وہ جب تنقید کرنے پر آتے ہیں تو جب تک کسی کو کفر تک نہ پہنچا لیں اس وقت تک ان کو اطمینان نہیں ہوتا۔ متحدہ قومیت کی تحریک جس میں مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ شامل تھے ان پر انہوں نے جو تنقیدیں کی ہیں ان میں اس معاملہ کو کفر اور شرک تک پہنچا دیا۔ جب مسلم لیگ پر تنقیدیں کیں تو مسلم قوم پرستی کو بھی کفر اور شرک تک پہنچا کر دم لیا۔ ایک تو ان میں یہ شدت تھی۔ ٹھیک ہے، اختلافات رکھیں لیکن اختلاف کو اس حد تک نہ لے جائیں کہ لوگ قریب آنے کی بجائے دور ہو جائیں۔ مثلاً جن بزرگوں پر انہوں نے تنقیدیں کی ہیں ان کے معتقدین کے کان جماعت کی دعوت کے لیے بند ہو گئے۔ دوسری کمی جس کا مجھے احساس ہوتا تھا وہ یہ کہ اسلام کے موضوع پر گفتگو تو ساری صحیح ہے لیکن ایمان پر Emphases اتنا نہیں ہے کہ ہونا چاہیے۔ یہ دو چیزیں تھیں جن کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ تاہم جماعت کا جو فرائض دینی تصور ہے اس کے لیے میں ان کے ساتھ Agree کرتا تھا اور آج بھی Agree کرتا ہوں۔ جب جماعت اسلامی نے پاکستان بننے کے بعد یوٹرن لیا تو پہلا کام صحیح کیا تھا یعنی دستور اسلامی کا مطالبہ کیا، اس میں پوری قوم نے ساتھ دیا۔ مسلم لیگیوں نے بھی ساتھ دیا۔ گویا کہ یہ مسلم لیگ کی تحریک کا ایک معنوی تسلسل ہو گیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس حوالے سے دستور ساز اسمبلی کے اندر بڑا اہم رول پلے کیا۔ لیکن 1951ء کے الیکشن میں جماعت نے حصہ لے کر جو ٹرن لیا اس نے اس کی نوعیت کو بدل دیا۔

**سوال**: گزشتہ 30 سال میں دین کے حوالے سے جو محنت آپ نے کی ہے آپ کے مخالفین بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ لیکن اس میں ایک تسلسل اور استقامت نظر نہیں آتی۔ مثلاً آپ نے انجمن خدام القرآن بنائی پھر آپ نے تنظیم اسلامی قائم کی۔ پھر آپ نے تحریک خلافت لانچ کر دی اور بعد ازاں تحریک خلافت کو ختم کر دیا گیا۔ کیا یہ کسی فکری کنفیوژن کا معاملہ تو نہیں تھا؟

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ**: اصل میں تو یہ مراحل (Step) ہیں۔ میں نے جو کام شروع کیا تھا وہ کسی تحریری بنیاد پر نہیں تھا۔ مولانا مودودیؒ کا سارا معاملہ تحریر یعنی کتابوں کی تصنیف کی بنیاد پر تھا۔ میں نے درسِ قرآن کے حوالے سے لاہور میں 1966ء سے کام شروع کیا۔ اس سے میرا ہم خیال لوگوں کا ایک حلقہ وجود میں آیا۔ چنانچہ پہلے میں نے مرکزی انجمن خدام القرآن قائم کی، لیکن اس کے لیے بھی میں نے جو تجویز ماہنامہ میثاق میں شائع کی تھی، اس میں لکھ دیا تھا کہ میرا اصل مقصد انجمن کا قیام نہیں ہے بلکہ یہ تو پہلا Step ہے جو میں اُٹھا رہا ہوں۔ میرے پیش نظر یہ ہے کہ بیعت کی بنیاد پر اقامت دین کے لیے جماعت بنائی جائے۔ چنانچہ تین سال بعد تنظیم اسلامی کی بنیاد رکھی۔ میرے نزدیک یہ ایک ارتقاء کا پراسس ہے۔

**سوال**: تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ**: تنظیم اسلامی کا ہدف خلافت کا قیام ہے۔ اس اعتبار سے تنظیم اسلامی کی جدوجہد دراصل تحریک خلافت ہے۔ قیام پاکستان کی جدوجہد تحریکِ پاکستان کہلاتی ہے اور اس تحریک کو اُٹھانے والی مسلم لیگ تھی۔ مسلم لیگ پارٹی کا نام تھا۔ تنظیم اسلامی پارٹی کا نام ہے۔ چونکہ تنظیم اسلامی کا ہدف نظام خلافت قائم کرنا ہے، اس اعتبار سے تحریک خلافت لانچ کی گئی۔

**سوال**: تنظیم اسلامی جو دعویٰ کرتی ہے کہ ہم اسلام کا نظام انقلابی طریقہ کار سے قائم کریں گے اور یہ انقلابی طریقہ کار آپ نے سیرت رسول ﷺ سے اخذ کیا ہے۔ آپ اسے منہج انقلاب نبوی ﷺ کا نام دیتے ہیں۔ آپ منہج انقلاب نبوی ﷺ

کے مراحل کے بارے میں مختصراً بتا دیں؟

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ:** اس بارے میں دو چیزیں میں Assert کرتا ہوں (1) انبیاء ورسل کی جماعت میں صرف حضور ﷺ کے دست مبارک سے ایسا ہوا کہ ایک بالکل نئی حکومت ایک نئی ریاست ایک نیا معاشرہ وجود میں آ گیا اور کسی نبی یا رسول ﷺ کے ذریعے پہلے یہ کام نہیں ہوا۔ (2) دنیاوی اعتبار سے دنیا مانتی ہے کہ جو انقلاب حضور ﷺ نے برپا کیا تھا وہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب ہے۔ اس انقلاب کے عمل کو سمجھنے کے لیے میرے نزدیک واحد ذریعہ حضور ﷺ کی سیرت ہے۔ اس کا جب میں نے مطالعہ کیا تو وہاں سے میں نے چھ مراحل اخذ کیے ہیں اور اس میں ساتویں مرحلے کا اضافہ ہے جو انقلاب برپا ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ بہرحال انقلاب کی تکمیل چھ مراحل میں ہوئی ہے۔ (1) سب سے پہلے یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی انقلابی فلسفہ یا نظریہ ہونا چاہیے جس کو پھیلایا جائے۔ اسلام کا انقلابی نظریہ توحید ہے۔ توحید کی تین پرتیں اس نظام کی بنیاد بنتی ہیں۔ ایک ہے عقیدے کی توحید۔ دوسری ہے عمل کی توحید۔ اس میں اسلام کا اجتماعی نظام ہے یعنی سیاسی نظام وہ ہوگا جس میں حاکمیت اللہ کی ہوگی۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہر شے پر برتری حاصل ہوگی۔ معاشی نظام وہ بنے گا جس میں ملکیت صرف اللہ کی ہے۔ انسان صرف امین ہوگا۔ اس میں کہیں سود اور جوئے کا معاملہ نہیں ہوگا۔ تیسرے یہ کہ معاشرتی اعتبار سے تمام انسان پیدائشی طور پر برابر ہیں، کوئی اونچا نیچا نہیں۔ یہاں تک کہ مرد اور عورت مساوی ہیں۔ اس نظریے کو پھیلایا جائے۔ (2) اس کے بعد جو لوگ اس کو قبول کرلیں انہیں منظم کیا جائے۔ اس لیے کہ نظام کو جڑ سے اُکھاڑنا آسان کام نہیں۔ اس کے لیے زبردست جدوجہد کی ضرورت ہے جس میں جان اور مال کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ یہ پارٹی حضور ﷺ نے دو بنیادوں پر قائم فرمائی۔ پہلی بنیاد تو یہ تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر مانتے ہو تو تم مسلمان ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب تمہیں میری اطاعت کرنی پڑے گی۔ میں جو بات کر رہا ہوں اللہ کی طرف سے کر رہا ہوں۔ اس بنیاد پر ایک ڈسپلن خود بخود قائم ہو گیا۔ جب وہ تحریک آگے ایک تصادم کے مرحلے میں داخل ہونے لگی تو پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے بیعت لی کہ میں جو حکم دوں گا مانو گے۔ تنظیم گویا انقلابی جدوجہد کا دوسرا مرحلہ ہوا۔ (3) پھر یہ کہ ان لوگوں کی تربیت ہونی چاہیے۔ تربیت کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ ڈسپلن کی عادت بھی ہو جائے اور ان میں جان و مال ہر شے کھپا دینے کے لیے آمادگی بھی پیدا ہو جائے۔ پھر یہ کہ ایک روحانی کیفیت بھی انہیں حاصل ہو جائے اور ان کی نیتوں میں اتنا خلوص پیدا ہو جائے کہ سوائے اللہ کی رضا اور آخرت کی جزا کے کوئی شے مطلوب نہ ہو ۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

ان تین کاموں سے حضور ﷺ کے دور میں ایک حزب اللہ وجود میں آئی۔ (4) چوتھی بات یہ رہی کہ اس تمام عرصے میں جب تک کہ وہ جماعت مضبوط نہیں ہوگئی اس میں یہ حکم رہا کہ تمہارا کچھ بھی استہزا کیا جائے، تمہارے خلاف کوئی بھی جارحانہ اقدام ہو تو اس پر صبر کرو اور جوابی کارروائی نہ کرو۔ یہ Passive Resistance کا چوتھا مرحلہ ہے۔ (5) اس کے بعد محسوس ہوا کہ ہمارے پاس طاقت اتنی ہے تو پھر حضور ﷺ نے اقدام شروع کیا جسے Active Resistance کہا جاسکتا ہے۔ اس کی ابتدا قریش کے Economic Blockade سے ہوئی۔ قریش کے جو قافلے تجارت کے لیے بیرون ملک جاتے تھے وہ بدر کے پاس سے گزرتے تھے۔ آپ ﷺ نے آٹھ مہمات کے ذریعے ان کا یہ راستہ مخدوش بنا دیا۔ گویا کہ ان کی لائف لائن پر آپؐ نے ہاتھ ڈال دیا۔ اسی طرح سے آس پاس کے قبائل جو پہلے ایک طرح سے قریش کے حلیف تھے آپ ﷺ نے ان سے معاہدے کر لیے۔ ان میں سے کئی حضور ﷺ کے ساتھ ہو گئے اور قریش کے مخالف ہو گئے جبکہ کچھ کہتے تھے کہ ہم نیوٹرل ہیں۔ لیکن دونوں حالتوں میں قریش کے سیاسی اثر ورسوخ کو دھچکا لگا۔ اس کے نتیجے میں قریش نے قدم اُٹھایا اور تصادم ہوا۔ (6) غزوۂ بدر سے اور آخری مرحلہ یعنی مسلح تصادم شروع ہو گیا۔ چھ سال یہ تصادم جاری رہا۔ چونکہ پوری تیاری کے بعد یہ مرحلہ آیا تھا لہٰذا اللہ نے کامیابی عطا فرمائی۔ (7) ساتواں مرحلہ اس انقلاب کو ایکسپورٹ کرنے کا ہوتا ہے۔

**سوال:** کیا موجودہ دور میں ہم کسی حکومت سے جنگ کریں گے؟

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ:** موجودہ دور میں یہ ہے کہ پہلے پانچ مرحلے تو جوں کے توں رہیں گے۔ لیکن کسی حکومت کے خلاف جنگ کا معاملہ اس دور میں آ کر قابل عمل (Feasible) نہیں رہا ہے، اگرچہ یہ جائز ہے۔ اگر حالات اس کی اجازت دیں تو اس کو ہم حرام نہیں کہہ سکتے، لیکن Feasible نہیں ہے۔ اس لیے کہ آج عوام نہتے ہیں اور حکومتوں کے پاس 5 لاکھ، 10 لاکھ فوجیں ہوتی ہیں جو پوری طرح مسلح ہیں۔ ان کے پاس ٹینک ہیں، جہاز ہیں، فوج ہے جو حکومتِ وقت کا حکم مانتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ حکومتِ وقت رائج نظام کی پاسبان ہوتی ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک دورِ حاضر میں اس مرحلے کو ایک غیر مسلح جدوجہد کی حیثیت سے اختیار کیا جانا چاہیے۔ غیر مسلح جدوجہد کے تین مراحل ہیں۔ میں یہاں خاص طور پر گاندھی کا نام لوں گا۔ چونکہ اس میدان میں وہی شخص ہے جس نے یہ راستہ اختیار کیا۔ پہلا مرحلہ تھا کہ عدم تشدد پر مبنی عدم تعاون کی پالیسی کہ ہم تمہارا کپڑا نہیں پہنیں گے۔ ہم چرخہ کاتیں گے اور اس سے سوت بنائیں گے، سوت سے کھدر بنائیں گے اور کھدر پہنیں گے لیکن تمہارا کپڑا نہیں پہنیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی معیشت کو دھچکا لگا۔ کپڑوں کے بڑے کارخانے بند ہو گئے۔ پھر اگلی سٹیج آئی عدم تشدد پر مبنی سول نافرمانی کی، جس میں گاندھی نے کہا کہ سمندر میں پرماتما نے نمک پیدا کیا ہے، ہم وہاں سے نمک بنائیں گے، بازار سے نمک نہیں خریدیں گے۔ دراصل حکومت نے اس پر ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حکومت کی ٹیکس پالیسی کو چیلنج کر رہے ہیں۔ اس پر لوگوں کو ماریں پڑیں، انہوں نے لاٹھیاں کھائیں لیکن خود تشدد کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ تیسری سٹیج ہندوستان میں آئی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جنگ عظیم دوم چھڑ گئی تو اس میں ایک وقفہ آ گیا اور جنگ عظیم دوم کے نتیجے میں برطانیہ طے کر چکا تھا کہ اسے یہاں سے اپنا بستر گول کرنا ہے۔ تیسری سٹیج وہ ہے جو ہمیں ایران میں آیت اللہ خمینی کی جدوجہد میں نظر آتی ہے۔ وہ ہے ''غیر مسلح بغاوت''، کہ لوگ سڑکوں پر آ گئے اور سسٹم کو بلاک کر دیا۔ اس کے نتیجے میں فوج نے پہلے ان پر فائرنگ بھی کی، ہیلی کاپٹرز سے فائرنگ کی گئی اور لوگوں نے جانیں دیں۔ 20 سے 30 ہزار تک لوگوں کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے، لیکن بالآخر شاہ کو بھاگنا پڑا۔ یہ معاملہ اب دنیا میں بہت دہرایا جا رہا ہے۔ برازیل میں، جارجیا میں، یوکرائن میں اور کرغزستان میں ایسا ہی ہوا۔ جب عوامی ریلا آتا ہے تو حکومت بہہ جاتی ہے۔ کوئی اس میں مسلح مقابلہ نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک آج کے دور میں اس طریقے کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس لیے کہ آج بہت بڑا فرق یہ واقع ہو چکا ہے کہ پہلے کوئی باقاعدہ منظم فوج نہیں تھی فرق صرف تعداد کا تھا۔ دونوں طرف تلواریں اور نیزے تھے۔ ان کے پاس بھی اونٹ اور گھوڑے تھے جبکہ دوسری طرف بھی اونٹ اور گھوڑے

تھے۔ اگرچہ تعداد کا فرق بہت بڑا تھا لیکن نوعیت کا فرق زیادہ نہیں تھا۔ آج معاملہ بہت مختلف ہو گیا۔ بہرحال آج ایک مثبت معاملہ یہ ہوا کہ آج ریاست اور حکومت کے درمیان فرق ہے۔ شہری ریاست کے وفادار ہوتے ہیں حکومت کے نہیں۔ حکومت کو تبدیل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا شہریوں کا حق ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ظاہر بات ہے اسلامی ریاست کے خلاف تو نہیں تھے، یزید کے خلاف تھے لیکن انھیں ریاست کے مخالف سمجھا گیا۔ آج حکومت کو بدلنے کے دو راستے ہیں: الیکشن اور ایجی ٹیشن۔ ایجی ٹیشن کے ذریعے سے نظام بدلا جا سکتا ہے اور الیکشن کے ذریعے سے صرف اس نظام کو چلانے والے ہاتھ بدلے جا سکتے ہیں۔

**سوال**: منہج انقلاب نبوی ﷺ کے چھٹے مرحلے میں آپ نے ایران کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ وہاں یکطرفہ تشدد ہوا اور غیر مسلح لوگ سامنے آ گئے۔ جس طرح کا عدم برداشت اور عدم تحمل کا معاملہ ہمارے معاشرے میں ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ ہماری قوم بھی ایسا کوئی مظاہرہ کر سکے گی ایسے مرحلے پر؟

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ**: اس کی بھی ایک شرط یہ ہے کہ ایسی مضبوط جماعت بن چکی ہو جو مظاہرے کو کنٹرول کر سکے۔ ظاہر بات ہے کہ اس قسم کے جو مظاہرے یا جلوس ہوتے ہیں وہاں حکومت وقت بھی اپنے آدمی بھیج کر ہنگامہ، فساد اور توڑ پھوڑ شروع کرا دیتی ہے، تاکہ انھیں جلوس کے خلاف کارروائی کا جواز مل جائے۔ لیکن یہ کہ اگر کوئی جماعت اتنی مضبوط بن چکی ہو اور اس کے بعد یہ مرحلہ آئے تو وہ جماعت ذمہ داری لے گی کہ اس مظاہرے میں کوئی غلط کام نہ ہو۔ اس کے لیے بھی گاندھی کی مثال دوں گا۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”حکمت اور دانائی کی بات مومن کی گمشدہ متاع کی مانند ہے۔ جہاں سے بھی ملے اس کو لے لے“۔ لہٰذا اگر کوئی درست بات کسی غیر مسلم نے کی ہے تو اُسے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ جب گاندھی کی تحریک دوسرے مرحلے میں تھی تو اس وقت ایک جلوس میں تشدد کا معاملہ ہو گیا۔ پولیس نے تشدد کیا تو جلوس نے جا کر تھانے کا گھیراؤ کر لیا اور آگ لگا دی۔ چنانچہ بہت سے پولیس والے تھانے کے اندر مر گئے۔ گاندھی نے فوراً موومنٹ کال آف کر دی۔ یہ جو گاندھی نے نان وائیلنٹ کی بات کی ہے اس کے بارے میں اس کا اپنا قول دو واسطوں سے مجھ تک پہنچا ہے۔ گاندھی نے یہ بات سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان مرحوم سے کہی اور انہوں نے میم شین (میاں محمد شفیع) مرحوم کو بتایا۔ گاندھی نے کہا تھا کہ میں نے عدم تشدد حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد ﷺ سے سیکھا ہے۔ حضرت مسیحؑ کا مشہور قول ہے کہ کوئی داہنے گال پہ تھپڑ مارے تو بایاں بھی پیش کر دو۔ حضور ﷺ بھی مکے میں بارہ برس اسی اُصول پر کاربند تھے۔ مکہ میں قرآن کا حکم تھا: ”اپنے ہاتھ باندھے رکھو۔“

**سوال**: آپ متعدد بار یہ بات کہہ چکے ہیں کہ اقامت دین کی جدوجہد ایک مسلمان پر اسی طرح فرض ہے جس طرح پنج وقتہ نماز۔ اگر کوئی مسلمان اقامتِ دین کی جدوجہد نہیں کرتا تو وہ آخرت میں اس طرح سزاوار ہو گا جس طرح نماز کو ترک کرنے والا ہے؟

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ**: تھوڑی سی ترمیم اس میں کر لیجیے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ اقامتِ دین کی جدوجہد اہل ایمان پر فرض ہے۔ قرآن کی رُو سے اسلام اور ایمان میں فرق ہے۔ ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ (الحجرات:14) ”دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ (یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔“ جب ایمان دل میں داخل ہو جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ جہاد فی سبیل اللہ یعنی اقامت دین کی جدوجہد ہے۔ جو شخص یہ جدوجہد نہیں کرتا وہ گنہگار ہے۔ جیسا کہ اگر کوئی نماز نہیں پڑھتا تو وہ گنہگار ہو گا اور اللہ کے ہاں سزا پائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی یہ نہیں کرتا ہے تو سزا پائے گا۔ البتہ اس میں تھوڑا سا فرق یہ ہو جائے گا کہ چونکہ ہمارے عام معاشرے میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے بارے میں تو یہ بات معروف ہے کہ یہ فرائض ہیں اور چاہے کوئی شخص نماز نہ پڑھتا ہو وہ یہ جانتا ہے کہ نماز فرض ہے۔ روزہ رکھے یا نہ رکھے یہ جانتا ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ لیکن اقامت دین کی جدوجہد کا تصور ہی لوگوں کے ذہن سے محو ہو گیا ہے، جسے باور کرانے کی ضرورت ہے۔ تاہم اس کا حوالہ ایمان کے ساتھ دینا چاہیے۔ اس لیے کہ ارکان اسلام تو پانچ ہی ہیں، کسی چھٹے رکن کا ہم اضافہ نہیں کر سکتے۔ البتہ ایمان کی شکل میں دو رکن اور بڑھ جاتے ہیں اور وہ ہیں: ایک دل میں یقین اور دوسرا عمل میں جہاد فی سبیل اللہ۔ اگرچہ جہاد فی سبیل اللہ کے مختلف مراحل ہیں، لیکن اس کا آخری ہدف دین کو قائم کرنا ہے، تاکہ پوری انسانی زندگی دین کے تابع ہو جائے۔

(جاری ہے)


## ضرورت ہے

قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں شعبہ سمع و بصر کے لیے ایک ویڈیو ایڈیٹر کی ضرورت ہے جو Final Cut Pro پر مہارت کے ساتھ کام کر سکتا ہو اور ویڈیو ایڈیٹنگ اور اس سے متعلقہ اُمور میں مہارت کا کم از کم تین سالہ تجربہ رکھتا ہو۔ ساتھ ہی گرافکس اور اینیمیشن (Animation) کا کام بھی جانتا ہو تو ترجیح دی جائے گی۔ خواہشمند حضرات درخواست کے ساتھ اپنی CV 22/جنوری 2014ء تک قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں جمع فرمائیں یا

zubair@quranacademy.com

پر ای میل کریں۔

فون: 35340022-24،

0334-3517275



## کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I، II، III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لیے رابطہ:

**شعبہ خط و کتابت کورسز** قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 35869501-3

E-mail: distancelearning@tanzeem.org

# ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ری کنسٹرکشن

اوریا مقبول جان

تخلیق پاکستان سے لے کر آج تک ایک رویہ دنیا بھر کے روشن خیال، کمیونسٹ، قوم پرست اور لامذہب دانشوروں کا یہ رہا ہے کہ تحریک پاکستان میں شامل کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی سربلندی کا جو جذبہ موجزن تھا اور جس کی شدت نے پورے ہندوستانی معاشرے کو کفر و اسلام کے درمیان تقسیم کر دیا تھا، اس جذبے سے قائداعظم کی شخصیت کو علیحدہ کر کے پیش کیا جائے۔ کبھی ان کے لباس، لائف سٹائل اور مغربی تعلیم کی بات کی جاتی ہے اور کبھی یہ تصور پیش کیا جاتا ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے تو قائداعظم اسلام اور اسلامی نظام کے بارے میں تقاریر کرتے تھے لیکن پاکستان بننے کے بعد انہوں نے اس ملک کو سیکولر بنیادوں پر استوار کرنا چاہا اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کچھ بھی نہ کیا۔

آج سے دو برس قبل جب قائداعظم کی زندگی میں قائم ہونے والے پہلے محکمے 'ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ری کنسٹرکشن' کے اغراض و مقاصد کی اصل کاپی مجھے دستیاب ہوئی اور میں نے اس جدو جہد پر کالموں کا سلسلہ شروع کیا تو ایک صاحب نے ایک طویل کالم لکھا کہ اس پورے کام کا قائداعظم سے کوئی تعلق نہ تھا۔ میں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا تھا کہ ایسی کج بحثی کسی بھی اعلیٰ و ارفع مقصد کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔ ایسے کج بحث لوگ کسی اعلیٰ تصور کی نفی نہ کر سکیں تو کتابت کی غلطیوں کو بہانہ بنا کر یا اعداد و شمار کی بحث میں الجھا کر مقصد کو تباہ کرتے ہیں، لیکن جب گزشتہ دنوں قائداعظم کے یوم پیدائش پر میں نے کچھ ٹیلی ویژن پروگراموں میں یہ دستاویز دکھائی اور برادرم انصار عباسی نے اسے ایک طویل خبر کی صورت میں تحریر کیا تو موصوف پھر گویا ہوئے اور اس محکمے کے سربراہ علامہ محمد اسد کی زندگی کے ایک ماہر کی حیثیت سے پھر یہ دعویٰ لے کر آئے کہ یہ محکمہ تو دراصل اپنے طور پر وزیر اعلیٰ پنجاب نواب ممدوٹ نے شروع کیا تھا، قائداعظم کا اس سے کیا تعلق؟

اس ضمن میں انہوں نے تمام حوالے محمد اکرام چغتائی کی ان دو کتابوں سے لیے جو انہوں نے انگریزی اور اردو میں مرتب کیں۔ ان کتابوں میں علامہ محمد اسد کی اپنی تحریر کردہ یادداشتیں، مضامین، انٹرویوز اور ان کی اہلیہ پاؤلا حمید کی مرتب کردہ یاداشتیں شامل ہیں۔ محمد اکرام چغتائی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ان واقعات، جن کا تذکرہ علامہ محمد اسد اور ان کی اہلیہ نے کیا، کے ممکنہ حد تک حوالہ جات اکٹھے کیے اور انہیں کتاب کے آخر میں جمع کر دیا۔ موصوف کالم نگار نے اپنے دلائل انہی کتابوں سے اخذ کیے اور انہی یادداشتوں کو بنیاد بنایا۔ تحقیق کے عالمی اصولوں کے مطابق یادداشتیں دوسرے درجے کے ماخذ تصور کی جاتی ہیں کہ ان میں لکھنے والے کا ذاتی نقطہ اور نظریہ اسے مکمل طور پر ایک آزاد ذریعہ تحقیق نہیں رہنے دیتا، پہلا درجہ مکمل طور پر غیر جانبدار ریکارڈ اور شہادتوں کو حاصل ہوتا ہے۔ جہاں تک پہلے درجے کے مآخذ کا تعلق ہے اس کے بارے میں کتاب کے حوالہ جات میں محمد اکرام چغتائی نے خود ہی یہ اعتراف کیا ہے کہ ''حکومت مغربی پنجاب کے تحت قائم ہونے والے اس ادارے کا سنگ بنیاد کب رکھا گیا، کچھ معلوم نہیں۔ اس سے متعلقہ ریکارڈ بھی پنجاب آرکائیوز میں محفوظ نہیں''۔ (حوالہ 63)

اس ادارے کے بارے میں اخبارات کی خبریں اور ریڈیو پاکستان کو علامہ اسد کا طویل انٹرویو ہی اس ادارے کے اغراض و مقاصد اور قیام کی گواہی دیتے ہیں۔ علامہ اسد نے اپنی یادداشتوں میں اس کے قیام کا تذکرہ یوں کیا ہے: ''جونہی میں ان کے دفتر میں داخل ہوا ممدوٹ صاحب رسمی تعلقات کی پروا کیے بغیر کہنے لگے، میرے خیال میں اب ہمیں نظریاتی مسائل کو حل کرنے کے لیے ٹھوس اقدام کرنا چاہئے۔ آپ نے ان کے بارے میں تقریراً اور تحریراً بہت کچھ کیا۔ آپ کیا تجویز کرتے ہیں۔ کیا ہمیں وزیراعظم سے رجوع کرنا چاہیے؟'' علامہ اسد اس کے بعد مشورہ دیتے ہیں کہ آپ کو خود پنجاب میں ایسا ادارہ قائم کرنا چاہیے۔ اس کے بعد ادارہ قائم ہوا۔ علامہ محمد اسد نے اس کے اغراض و مقاصد تحریر کیے اور اسے حکومت نے شائع کیا۔ اس کے بعد علامہ اسد کے رسالے 'عرفات' کو حکومت نے شائع کرنا شروع کیا جس میں اسلامی نظام حکومت کو قائم کرنے کے طریق کار پر مضامین شائع ہوتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی حکومت کے ایما پر علامہ محمد اسد نے ریڈیو پاکستان سے سات تقاریر کیں جو پاکستان کے اسلامی آئین اور اسلام کے معاشی اور سیاسی نظام کے متعلق تھیں۔ یہاں علامہ اسد کی یادداشتوں کا ایک اقتباس ہے کہ ممدوٹ صاحب نے کہا: ''میں نے ابھی ابھی آپ کا مضمون 'اسلامی دستور سازی کی جانب' پڑھا ہے''۔ آپ انہی خطوط پر قدرے شرح و بسط کے ساتھ ایک میمورنڈم تیار کیجئے، میں اسے مغربی پنجاب کی حکومت کی جانب سے شائع کراؤں گا اور اس کو دیکھ کر ممکن ہے مرکزی حکومت اس جانب متوجہ ہو۔ چنانچہ 1948ء میں میرا یہی مضمون مع اردو ترجمہ مغربی پنجاب کی حکومت کی زیر نگرانی طبع ہوا۔ کچھ ہفتوں بعد وزیر اعظم کی جانب سے مجھے کراچی آنے کا پیغام موصول ہوا۔ یہ میری لیاقت علی خان سے پہلی ملاقات نہیں تھی''۔ اس کے بعد لیاقت علی خان نے ملک کی مالی مشکلات، کشمیر کی جنگ اور عالمی برادری میں ساکھ کے حوالے سے دلائل دیے اور فی الحال دستور سازی کا اساسی کام ختم کر کے علامہ اسد کو قائل کیا کہ وہ سفارتی مشن پر چلے جائیں۔ علامہ اسد سفارتی مشن پر چلے گئے اور پھر ان کے جانے کے بعد اسلامی دستور سازی کے اس اہم ادارے میں ایک رات آگ بھڑک اٹھی اور سب کچھ جل گیا۔

پنجاب کے محکمہ آرکائیوز میں سات لاکھ فائلیں ہیں لیکن اس محکمے کی فائلیں موجود نہیں ہیں۔ مجھے یہ اغراض و مقاصد بھی نہ ملتے اگر میں دیگر محکموں کی فائلیں نہ چھانتا۔ اس محکمے کو قائم کرنے اور باقاعدہ فنڈز کی ترسیل کے لیے جو خطوط مرکزی حکومت کو لکھے گئے، ان کے ساتھ مجھے اغراض و مقاصد کا یہ کتابچہ اور علامہ اسد کی ریڈیو تقریروں کے مسودات بھی مل گئے۔ ان کاغذات میں مرکزی حکومت کی وہ منظوری بھی شامل تھی جس کے سربراہ قائداعظم تھے۔ جو لوگ حکومتی معاملات کو جانتے

ہیں، انہیں علم ہونا چاہیے کہ یہ کوئی پارٹی کارروائی نہیں کہ اس میں براہ راست لیڈر نے احکام دینے ہوتے ہیں۔ حکومتوں میں ڈائریکٹوز کا فیشن تو آج کے دور کی پیداوار ہے۔ مرکزی حکومت کی منظوری قائداعظم کی منظوری تھی۔ قائداعظم کو پوری ملت اسلامیہ کے شعور سے علیحدہ کرنے کے لیے یہ لوگ قائداعظم کو ایک ایسا گورنر جنرل بنا کر پیش کرتے ہیں کہ انہیں اپنے زیرسایہ ہونے والے اس اہم ترین کام کا کوئی علم تک نہ تھا۔ اس ملک کے واحد نشریاتی ادارے ریڈیو پاکستان پر ایک اہم سرکاری ملازم (علامہ اسد) ایک حکومتی نمائندے کی حیثیت سے "Calling all Muslim" کے نام سے سات تقریریں کرتا ہے جس میں وہ اپنے ادارے کے کام کو واضح کرتا ہے اور پاکستان کے اسلامی دستور پر حکومت کے کام کی وضاحت کرتا ہے۔ 19 اکتوبر 1947ء کو ڈائریکٹر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ری کنسٹرکشن کی حیثیت سے پاکستان ٹائمز میں اس کا تفصیلی انٹرویو شائع ہوتا ہے جس میں اسلامی آئین کے بارے میں وہ اپنے کام کے خدوخال بتاتا ہے اور قائداعظم اس قدر بے خبر کہ انہیں اس کا علم تک نہیں ہوتا۔ اس زمانے میں ایک ہی ریڈیو تھا اور وہ بھی سرکاری اور چند اخبار تھے جن میں پاکستان ٹائمز بہت اہم تھا۔ یہ تقریریں انگریزی میں ہیں اور انٹرویو بھی انگریزی اخبار ہی میں چھپا تھا ورنہ یہ بہانہ بنایا جاسکتا تھا کہ قائداعظم کو تو اُردو پڑھنا نہیں آتی تھی۔ اس زمانے میں بہت سے ٹی وی چینل بھی نہ تھے کہ قائداعظم کی نظر سے یہ سب کچھ نہ گزرا ہو۔ ملک کے لیے اسلامی دستور کی تشکیل، اسلام کے معاشی اور معاشرتی نظام کو مرتب کرنے کا کام ایک حکومتی ادارہ انتہائی تندہی سے سرانجام دے رہا ہے جسے مرکزی حکومت فنڈز بھی فراہم کرتی ہے، اس سے قائداعظم کی ذات کو علیحدہ کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اس وقت کے کروڑوں مسلمان اور لیگی رہنماؤں کی اکثریت تو اسلامی حکومت چاہتی تھی لیکن قائداعظم مغرب زدہ تھے، وہ تو سیکولر تھے۔

لیکن ایسے 'عظیم' اور 'بالغ نظر' دانشوروں کے منہ قائداعظم نے اپنے آخری تقریر کے دوران بند کر دیے۔ یہ تقریر بھی ایک سرکاری ادارے سٹیٹ بینک کے افتتاح پر یکم جولائی 1948ء کو کی گئی تھی جس میں قائداعظم نے کہا تھا کہ میں اس سٹیٹ بینک کے ریسرچ کے ادارے کی کارکردگی کا ذاتی طور پر جائزہ لیتا رہوں گا کہ اسلامی اصولوں کے مطابق معاشی نظام کیسے مرتب کرتا ہے۔ یہ تقریر سٹیٹ بینک کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ اس کو کسی سازش کے ذریعے نذرِ آتش نہیں کیا جا سکا۔ علامہ اسد کا نام کسی نصابی کتاب میں نہیں، انہیں تحریک پاکستان کے رہنماؤں میں شامل نہیں کیا گیا، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک کنسٹریکشن کا انکار اس لیے کہ یہ وہ واحد کڑی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قائداعظم اور مسلم لیگ کے رہنما اس ملک میں ایک اسلامی دستور اور اسلامی نظام حکومت چاہتے تھے۔ [بشکریہ روزنامہ ''دنیا'']

## تعاقب

# اسلامی جمہوریہ پاکستان میں شرعی حجاب پر حملہ

پروفیسر محمد شکیل صدیق

ہم نے حقوق نسواں کی عَلم بردار این جی اوز کی جدوجہد کی ان کی تنگ نظری، تعصب اور جانبدارانہ طرزِ عمل کے باوجود اس لیے ہمیشہ پذیرائی کی ہے کہ اس کے نتیجے میں کسی نہ کسی حد تک خواتین کے مظلوم طبقے کی معاشرے میں آواز سنی گئی ہے، لیکن اسلام اور اسلامی اقدار سے بغض وعناد رکھنے والی حقوق نسواں کی تنظیموں کو معاشرے میں اس لئے پذیرائی نہیں مل سکی کہ ان این جی اوز کی بدنیتی، خیانت اور جانبداری نفرت کی حد تک قابل مذمت ہے۔

یہ این جی اوز مغربی منصوبے کے تحت مختاراں مائی اور ملالہ کے ساتھ ہونے والی ''زیادتیوں'' پر تو واویلا کرتی ہیں اور میڈیا پر مسلط سیکولر قوتیں بھی این جی اوز اور ان کی سرکردہ رہنماؤں کو پروموٹ کرتی ہیں، لیکن شعائر اسلام کی پابند مسلم خواتین کے ساتھ ظلم و زیادتی ہوتی ہے تو امریکی اور مغربی فنڈز سے چلنے والی این جی اوز کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ اس کا ثبوت ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے خلاف امریکی زیادتی اور حال ہی میں صوبہ خیبر پی کے کے دارالحکومت پشاور میں خیبر میڈیکل کالج کی طالبہ کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خیبر میڈیکل کالج پشاور کی ایم بی بی ایس سال اوّل کی طالبہ مصباح سید کو حجاب اور نقاب لے کر کلاس میں آنے پر بدترین سلوک اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ منگل 17 دسمبر 2013ء کو مصباح سید نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ پروفیسر رحیم بنگش نے اسے خبردار کیا کہ وہ اگلے روز کلاس میں نقاب کے ساتھ نہ آئے۔ مصباح کو اس کی جماعت کی ساتھی طالبات نے اپنی کلاس کا نمائندہ منتخب کیا تھا، جس پر پروفیسر رحیم بنگش خوش نہیں تھا۔ مصباح سید نے بتایا کہ مذکورہ پروفیسر پہلے بھی خواتین کو نقاب وحجاب کرنے پر تنقید کا نشانہ بناتا رہا ہے اور اپنی بیوی و بیٹیوں کو بھی نقاب لینے سے روکتا ہے۔ مصباح سید نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ پروفیسر رحیم بنگش نے کمرۂ جماعت میں میری ساتھیوں کے سامنے میرے نقاب لینے پر نہایت اہانت اور تحقیر آمیز ریمارکس دیے اور جب میں نے اس اہانت آمیز سلوک پر اپنے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہر طالبہ کا بنیادی حق ہے کہ وہ حجاب اور نقاب لے یا نہ لے، کسی کو بزورِ قوت روکنے کا کوئی حق نہیں ہے تو رحیم بنگش طیش میں آگیا، اس نے میرے چہرے پر تھپڑ اور طمانچے مارے اور لات ماری۔ مصباح سید نے یہ انکشاف بھی کیا کہ بعض ٹیچر نقاب و حجاب لینے والی طالبات کو زبانی امتحان میں امتیازی سلوک کا نشانہ بھی بناتے ہیں۔ مصباح سید نے جو پاکستانی نژاد کینیڈین شہری ہیں، اپنے والدین کی اس خواہش پر خیبر میڈیکل کالج میں داخلہ لیا تھا کہ وہ پاکستانی تہذیب وثقافت سے آشنائی حاصل کرے۔ وہ کہتی ہیں کہ وہ درجنوں ممالک حتیٰ کہ امریکا اور برطانیہ کا دورہ کر چکی ہیں لیکن وہاں بھی کسی نے ان کے حجاب و نقاب پر اعتراض نہیں کیا۔ انہوں نے متعلقہ حکام سے مطالبہ کیا کہ وہ مذکورہ ٹیچر سمیت ان اساتذہ کے خلاف سخت کارروائی کریں جو نقاب وحجاب لینے والی طالبات کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے ہیں اور ایسی طالبات کی تعلیم کے حصول میں رکاوٹ ہیں۔

☆☆☆

"اسلام کو صفحۂ ہستی سے کیسے مٹایا جائے"

# یہودی طریقہ کار

## پروٹوکولز کے تناظر میں

غلام خیر البشر فاروقی

اپنے مذموم منصوبوں پر عملدرآمد کی خاطر یہودیوں نے تقسیم کار کے لیے اپنی افرادی قوت کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ (''آکٹوپس'' کے ہزار روپ اختیار کرنے کی صلاحیت کی علامتوں میں ''تین شعبے'') (1) شارک (2) تخریب کار (3) عسکری

شارک:

شارک سرمایہ دار یہودی گروپ ہے، جو سرمایہ کو سود کے لیے پھیلا کر اپنا شکار قابو کرتا ہے۔ وہ یہودی مقاصد کے حصول کے لیے بھی سرمایہ لگاتا ہے، جس کی بنیاد پر غیر یہودی دانشوروں، صحافیوں، سیاستدانوں، ریڈیو ٹیلی ویژن کے فنکاروں، شاعروں اور ادیبوں کو پس پردہ رہ کر خریدتا ہے۔ غیر یہود کی صلاحیتیں سامنے لا کر فلاح وخوشحالی اور ذریعہ استحکام وطن بننے سے روکنے کے لیے بے دریغ سرمایہ لگاتا ہے۔ وہ بنیادی اسامیوں پر تعینات با اثر سرکاری اور نیم سرکاری ملازمین کو اپنی ضروریات کے لیے خریدتا ہے، تاکہ ملک کی سیاسی، معاشرتی اور معاشی حیثیت پر اس کی گرفت مضبوط ہو۔ خصوصاً جہاں ان کا تعلق ملک کی خفیہ ایجنسیوں سے ہو یا ملکی پالیسی سے۔ شارک یہودی، ملک کے اندر ایسی تنظیموں کو بھی امداد دیتے ہیں جو توڑ پھوڑ کی سرگرمیوں پر ایمان رکھتی ہیں۔ وہ قتل و غارت گری، لوٹ کھسوٹ، آتش زنی اور ڈاکے جیسے قبیح واقعات کی سرپرستی کرتے ہیں، اگرچہ زیر زمین رہ کر سیاسی عدم استحکام کے لیے ہنگامے اور جلوس اور دیگر غیر شائستہ سرگرمیوں میں ملوث افراد کو مالی کمزوری کا احساس نہیں ہونے دیتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ سرمایہ کا ضیاع نہیں بلکہ اسی سے سرمایہ بڑھتا ہے مثلاً جنگ اور توڑ پھوڑ مال بنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

شارک یہودی جنگ کے مواقع پیدا کرنے کے لیے مختلف طرح کے قضیوں (مثلاً عراق کویت قضیہ) کی خاطر اکساہٹیں پیدا کرنے میں سرگرم عمل رہتا ہے اور فریقین ہی میں اپنی کارروائی جاری رکھتا ہے۔ اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ پھر وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ قضیے نبٹانے کے لیے تخریبی قوت کے اشتراک سے کامیابی تک پہنچتا ہے، جس میں سیاسی عناصر بھی ملوث ہوتے ہیں۔ (1971ء کی پاک بھارت جنگ اور 1973ء کی عرب اسرائیل جنگ، عراق پر اتحادیوں کے حملے اور ایران عراق جنگ اس کے منہ بولتے ثبوت ہیں۔ امن کی باتیں تو محض کیموفلاج کی حیثیت میں تھیں۔)

تخریب کار:

یہودی مقاصد کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل تخریب کار گروہ میں مارکس اور اینگلز کی منصوبہ بندی کے مطابق سوشلسٹ اور کمیونسٹ شامل ہیں۔ ان کا اس بات پر ایمان ہے کہ مزدور کسی بھی ملک میں کسی بھی وقت بے چینی پیدا کرنے کے لیے مؤثر قوت ہیں۔ جن کے ذریعے ملک کی پیداواری صلاحیت کو تباہ کر کے اس کی معاشی، اخلاقی اور سیاسی ساکھ پر کاری ضرب لگا کر افراط زر سے عوام الناس میں بے چینی پیدا کی جاسکتی ہے۔ ہر یہودی اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ مزدور کے معاملات اور مسائل عوامی سطح پر کم و بیش ایک جیسے ہیں اور انہیں بین الاقوامی سطح پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ یہودیوں کی کوشش رہتی ہے کہ عالمی اور مقامی سطح پر مزدور ادارے اور یونینیں قائم کریں۔ ILO اسی قسم کا عالمی ادارہ ہے۔ اس طرح کے اداروں کی پہلی اور آخری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ کہیں بھی مزدور محب وطن نہ بن سکیں۔ مزدوروں میں یونین لیڈروں کے ذریعے ذاتی اور انفرادی مفاد کو قومی وصنعتی مفاد پر ترجیح دینے کی ذہنیت بنادی جاتی ہے۔ ہڑتال میں توڑ پھوڑ ان کا وتیرہ ہے...... آجر اور اُجیر کے درمیان طبقاتی چپقلش ونفرت کا اظہار کرتے ہوئے اچھی خاصی صنعتیں بند ہو جاتی ہیں۔ بے روزگاری جرائم کو جنم دیتی ہے۔ یہ بات سمجھی جا چکی ہے کہ سوشلزم اور کمیونزم دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ سوشلزم یہود کے بُنے ہوئے کمیونزم کے جال میں شکار پھانسنے کے لیے پہلا قدم ہے اور کمیونزم کا پہلا شکار مزدور ہے۔

مزدوروں پر اثر قائم کر لینے کے بعد یہود کے شعبہ تخریب کا رخ متعلقہ ملک کی مسلح افواج کی طرف پھرتا ہے، جس کی حیثیت ملکی استحکام میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح مسلمہ ہے۔ روسی پولٹ بیورو (روس میں مزدور تنظیم) کا مکمل کنٹرول یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ (عصر حاضر میں امریکن ''پنٹاگون'' اور لاتعداد شیطانی سوسائٹیوں کے فارغ التحصیل ''تھنک ٹینک'' کے) درپردہ یہودی سب سے پہلے اقتدار اور ترقی کے بھوکے فوجی افسران کو فرداً فرداً اپنے شیشے میں اتارتے ہیں۔ پھر ان منتخب لوگوں کو باہم ملوانے کا اہتمام کرتے ہیں، تاکہ ایک اکیلا دو گیارہ کے مصداق ان کا وطن دشمنی میں حوصلہ بڑھے۔ پھر افواج میں اپنے خریدے ہوئے ایجنٹوں کے ذریعے علاقائی، لسانی، قومی اور مذہبی تعصبات کو ہوا دی جاتی ہے۔ تاکہ تعصب کے شعلوں سے نفرتیں جنم لیں اور اتحاد بھسم ہو کر رہ جائے۔ (پاکستان کے حوالے سے اس کی تازہ مثال راولپنڈی کا یوم عاشور کے موقع پر مدرسہ جلانے کا اندوہناک واقعہ ہے جو تخریب کاری اور گھیراؤ جلاؤ کا بدترین مظہر ہے۔)

شعبہ تخریب شارک کے ساتھ بھرپور تعاون کرتا ہے۔ یہ اپنے منصوبے کے مطابق اپنے ذرائع سے کسی ملک کے وسائل کو برباد کر لیتا ہے تو شارک اپنے سرمایہ سے اس کی تعمیر نو کے لیے اس کے خسارے کو پورا کرنے کی خاطر اس کے دروازے پر ہمدرد بن کر دستک دے رہا ہوتا ہے۔ عالمی سطح پر اس طے شدہ چکر کے مطابق ہر جگہ یہودی منصوبے پایۂ تکمیل تک پہنچ رہے ہیں۔ ملکی سطح کے گھمبیر خساروں کو پورا کرنے کے لئے قرض دے کر یہودی گرفت کو مضبوط تر کیا جاتا ہے۔ اس کام میں معاون ومددگار ملکی مشینری کے مؤثر پرزے ہیں جو پختہ یہودی ایجنٹ ہیں۔

شعبہ عسکریہ یا جبریہ

یہ شعبہ پوری دلیری کے ساتھ قوت استعمال کر کے اپنے صہیونی مقصد کی تکمیل کرتا ہے۔ اسرائیلی ریاست کی باگ ڈور کا ملاً صہیونیوں کے قبضہ میں ہے۔

اس کے مالیتی امور شارک کے کنٹرول میں ہیں۔ تخریب کاری تخریب کار کے ذمے ہے۔ انتظام و انصرام شعبہ عسکریہ کے پاس ہے۔ یہ شعبہ اپنے ملک کے اندر مزدور کی عزت نفس اور ان کے حقوق کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔ اسرائیل میں مزدور کا کوئی امتیاز نہیں ہے اور روس کی طرح حق ہڑتال سلب ہے۔

آج کے نیٹو ایجنٹو ں کی راہنمائی کا باقاعدہ پروگرام پہلے پہل سترھویں صدی میں صہیونی نصرانی گٹھ جوڑ پر مشتمل کتاب ''اسلام کو صفحۂ ہستی سے کیسے مٹایا جائے'' کی صورت میں برطانیہ کے بادشاہ کو خیر مقدم کے طور پر دیا گیا تھا، جس میں ''محلاتی سازشوں'' کے لیے فزیبلٹی کے مطابق شعبہ جات کی تفصیلات درج ہیں، جو وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی ہوئی اب مریکہ پہنچ چکی ہیں۔ اور پروٹوکولز فزیبلٹی کے عین مطابق دنیا کو ''یرغمال'' بنایا جارہا ہے۔ دیکھو میری تحقیق ''آفریں بنی اسرائیل آفریں''

دنیا میں پھیلے اپنے ایجنٹوں کی رہنمائی اور اصلاح کے لیے یہود باقاعدہ پروگرام رکھتے ہیں، جو کچھ یوں ہوتا ہے کہ ہر مقام پر ایجنٹ اپنی کارکردگی کی رپورٹیں ارسال کرتے ہیں، جن کی روشنی میں انہیں ہدایات بھیجی جاتی ہیں۔ اسی سبب سے ہر گوشہ میں یہودی عزائم کی تکمیل کا کام کم وبیش ایک ہی نہج پر ہو رہا ہے۔ (مثلاً پاکستان اور برما کی مثال ثابت کرتی ہے کہ 1975ء کے عشرہ میں دونوں جگہ ملتی جلتی کارروائی عمل میں آئی تھی۔) دنیا کے سبھی ممالک میں کام کی نگرانی، ان میں عملی تعاون وغیرہ کا کام ''ربیوں کی مرکزی کونسل'' پیرس کے ربی اعظم کی نگرانی میں کرتی ہے۔ ایک برطانوی وزیر اعظم نے اپنے ناولوں Tanered and Endymion اور Koningsby میں یہود کے پروگراموں کو افسانوی کردار کے ذریعے عوام کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس نے پیشن گوئی کی تھی کہ مستقبل میں جرمنی کے اندر تمام اداروں اور یونیورسٹی پر یہودیوں کا تسلط ہوگا اور اس کے ذریعے جرمنی میں انقلاب آئے گا جو عملاً 1848ء میں آ گیا کہ یہودی تعلیمی اداروں پر چھائے رہے۔ اسی ذہنیت کو محسوس کرکے ہٹلر نے بیسویں صدی میں یہودیوں کو سزا دی تھی۔ (جاری ہے)

## دعائے صحت کی اپیل

☆ رفیق اسرہ حویلی لکھا میاں محمد اکرم کی بہو اور ایک پوتا روڈ ایکسیڈنٹ کی بنا پر قومے میں چلے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین ندائے خلافت سے اُن کے لئے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

## ضرورت رشتہ

☆ ایبٹ آباد میں مقیم ایک مذہبی گھرانے کو اپنی ڈاکٹر بیٹی، خوبصورت وخوب سیرت کے لئے تعلیمی و مذہبی لحاظ سے ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔ لڑکی کا قد 5.3 اور عمر 27 سال ہے۔ ذات برادری کی کوئی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0312-9808468

## دعائے مغفرت کی اپیل

☆ قرآن اکیڈمی لاہور، شعبہ سمع وبصر کے سینئر کارکن محمد شعیب کے والد جو طویل عرصہ تک قرآن اکیڈمی میں ڈرائیور کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے، گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔
☆ رفیق تنظیم اسلامی اسرہ حویلی لکھا میاں محمد اکرم جاوید کے بیٹے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پاگئے
☆ تنظیم اسلامی نوشہرہ کے رفیق محترم اختر علی صاحب کی اہلیہ، معتمد جان نثار اختر کی والدہ بقضائے الٰہی وفات پاگئیں
☆ تنظیم اسلامی پشاور شہر کے رفیق نسیم اللہ خان ایڈوکیٹ کے بھائی وفات پاگئے
☆ حلقہ پنجاب پوٹھوہار کے مبتدی رفیق محمد اقبال انصاری رضائے الٰہی سے وفات پاگئے
☆ تجمل حسن میر، شعبہ کمپیوٹر مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور کے سسر وفات پاگئے
☆ تنظیم اسلامی ملتان کے رفیق زبیر بچہ کے والد گرامی کا انتقال ہوگیا ہے
☆ حلقہ جنوبی پنجاب اسرہ غازی پور کے رفیق کریم بخش کھاکھی کے بھائی بقضائے الٰہی وفات پاگئے
☆ حلقہ جنوبی پنجاب کے منفرد رفیق محمد شفیع چودھری کی والدہ انتقال کر گئیں
☆ حلقہ جنوبی پنجاب کی تنظیم ملتان کینٹ کے رفیق عمر کلیم خان کے چچا جان بقضائے الٰہی وفات پاگئے

اللہ تعالیٰ مرحومین ومرحومات کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین! قارئین اور رفقائے تنظیم اسلامی سے بھی مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَاباً یَّسِیْرًا


## رُفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ

''قرآن اکیڈمی K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور'' میں

31 جنوری تا 02 فروری 2014ء

(بروز جمعۃ المبارک نماز عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

## مُدرّسین ریفریشر کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ مدرسین اس میں شامل ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0300-4708607، 0333-4273815

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: (042)36316638-36366638

# Quaid's effort to Islamize society was thwarted

***Department for Islamic Reconstruction was wound up***

**By Ansar Abbasi**

**ISLAMABAD: Uncovering the mother of all conspiracies to detach Pakistan from its Islamic ideology, the Archives Department of Punjab has revealed how the Department of Islamic Reconstruction (DIR) created by the Father of the Nation to Islamise the society as per the ideology of the country was wound up and its record destroyed soon after the death of Muhammad Ali Jinnah.**

Secretary Archives Punjab told The News here on Thursday that soon after the creation of Pakistan, Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah in one of his first executive moves had ordered the setting up of the Department of Islamic Reconstruction with the ultimate objective "to help our community to reconstruct its life on Islamic lines" but it was all undone soon after his demise.

Secretary Oriya Maqbool Jan said he would soon officially inform the top leadership of Punjab of this serious conspiracy against Pakistan.

According to the aims and objectives of the department as reflected in the official document, Islamic education system, Islamic law and social reorganization, Islamic law and economics, and civic morale were the four areas of focus determined to create an Islamic society based on the teachings of Quran and Sunnah.

The secretary archives said Allama Muhammad Asad was made the head of the DIR but after the death of Quaid-i-Azam the then foreign minister Zafarullah Khan (who was a Qadyani) got the Allama transferred by assigning him a foreign affairs job.

After Allama Asad's departure, the secretary Archives said, the department was abolished as well. Later a mysterious fire broke out in 1948 and the entire record of the department was destroyed.

"It was a conspiracy to obstruct Pakistan from Quaid's vision of making it an Islamic welfare state," Orya said, adding that in his biography "European Bedouin", Muhammad Asad also wrote of how he was abruptly transferred from the job. Allama Asad also talked of the conspiracy.

According to the aims and objectives of the DIR as explained in the document, shared with The News by the secretary Punjab, after the creation of Pakistan braving great sacrifices and extraordinary difficulties, the Quaid wanted to run the country in Islamic way and did not see the creation of Pakistan as the end of the journey.

The document instead stated, "For, though Pakistan has become an established fact which no power on earth can undo, a tremendous effort is still needed on our part to ward off the perils that beset us from all sides and to achieve, in the words of the Quaid-i-Azam, 'a state of our own concept' that is to say, a state which would fully satisfy our desire to have a polity built on the principles of Islam. It is no easy task to achieve a truly Islamic polity after all those long centuries of debasement and slavery which have sapped a good deal of our strength and undermined our social morale."

The document added, "As everyone knows, our struggle for the attainment of Pakistan has been fought on an ideological platform. We have maintained, and we do maintain today, that we Muslims are a nation by virtue of our adherence to Islam. To us, religion is not merely a set of beliefs and moral rules but a code of practical behavior as well. Contrary to almost all other religions, Islam does not content itself with influencing the life of the spirit alone but aims also at shaping all the physical aspects of our life in accordance with the Islamic world-view. In the grand scheme propounded to us in the Quran and in the life-example of the Holy Prophet (PBUH), all the various aspects of human existence - moral and physical, spiritual and intellectual, individual and communal - have been taken into consideration as parts of the

indivisible whole which we call 'human life'. It follows, therefore, that we cannot live a truly Islamic life by merely holding Islamic beliefs. We must do far more than that. If Islam is not to remain an empty word, we must also coordinate our outward behavior, individually and socially, with the beliefs we profess to hold."

The DIR documents also talked of the possible impediments in the way of making Pakistan a true Islamic welfare state and warned, "Indeed, in a world ruled by concepts of nationalism on racial or purely cultural lines, the concept of an ideological state is so unique, so out of all proportion with what the rest of the world regards as 'modern' and desirable, that we were bound to encounter the most formidable opposition."

It added, "For, most of the people in our time have grown accustomed to look upon racial affinities and historical traditions as the only legitimate basis of nationhood: while we, on the other hand, regard an ideological community - a community of people having definite outlook on life and a definite scale of moral values in common - as the highest form of nationhood to which man could aspire. We make this claim not only because we are convinced that out particular ideology, Islam, is a Message from God Himself but also because our reason tells us that a community based on ideas held in common is a far more advanced manifestation of human life than a community resulting from accidents of race or language or geographical location."

It further stated, "And our nation cannot become really united, and cannot achieve that singleness of purpose so essential for a Muslim Millat, unless and until we overcome that shameful confusion and demoralization, that loss of faith and of social integrity, that moral corruption which seems to have become portion during the recent weeks and months. And this is where the new Department of Islamic Reconstruction comes in." Then the document presents the outline of the program to be pursued by the DIR.

**(Courtesy: The NEWS International)**